ماہنامہ

دلیلِ راہ

لاہور

اگست 2023ء - محرم الحرام 1445ھ

CPL.No:406 اے بی سی تصدیق شدہ اشاعت

ماہنامہ
دلیلِ راہ
لاہور

شمارہ 08 | اگست 2023ء | جلد 31

مدیر اعلیٰ
سید ریاض حسین شاہ

ہرچہ مردِ بزم شوق آوردہ ام

1	نعت شریف ومنقبت	ولی کرنالی، ظفر اقبال نوری	2
2	گفتنی و ناگفتنی	سید ریاض حسین شاہ	3
3	تبصرہ وتذکرہ	سید ریاض حسین شاہ	9
4	درس حدیث	حافظ سخی احمد	13
5	عصمتِ رسول اللہ ﷺ	محمد بن علوی المالکی الحسینی	16
6	حضرت امام حسین علیہ السلام	آصف بلال آصف	17
7	معرکہ کربلا	محمد امین شرقپوری	19
8	ایک بہن اور بھائی کی لازوال داستان	ماسٹر احسان الٰہی	22
9	خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم	محمد حامد رضا چشتی	24
10	حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ	پیر محمد علی شاکر	26
11	سنابل نور	سید ریاض حسین شاہ	28
12	منقبت	سید فیض الحسن شاہ، ہاشم ضیائی	29
13	مروان بن الحکم	علامہ محمد ارشد	30
14	جنگ آزادی میں علمائے اہل سنت کا نمایاں کردار	مولانا حبیب القادری	33
15	آخر کب تک؟	محمد صدیق	34
16	یادیں اور باتیں	حافظ شیخ محمد قاسم	37
17	بوترابی کلاموں میں قومی اور انقلابی اشارات	عبداللہ ریاض	39

مشیر ادارت
ڈاکٹر رضا فاروقی

مجلسِ اعزاز
- علامہ حافظ نور محمد بندیالوی
- محمد نواز کھرل
- سید قیصر عباس شاہ
- انجینئر سرفراز احمد ضیغم
- حافظ محمد زبیر اعوان
- ارشد محمود ارشد
- احد شریف
- شیخ محمد راشد

ادارتی معاونین
- ابومحی الدین
- ڈاکٹر منظور حسین اختر
- طالب حسین مرزا
- خادم حسین مرزا
- حافظ محمد عفان منظور

قیمت فی شمارہ
30 روپے

سالانہ خریدار بمعہ ڈاک خرچ
450/= روپے

بیرون ملک سالانہ
150 ڈالر، 80 پونڈز

رابطہ دفتر: اتفاق اسلامک سنٹر، ایچ بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 042-35838038, 0322-4301986
ہیڈ آفس: ادارہ تعلیمات اسلامیہ سیکٹر نمبر 3، خیابان سرسید، راولپنڈی فون: 051-4831112

E-mail: daleelerah@gmail.com Online Edition: www.daleelerah.com

پبلشر سید ریاض حسین شاہ نے گنج شکر پرنٹرز سے چھپوا کر ماڈل ٹاؤن لاہور سے شائع کیا

ترے شہر میں

چمکتا ہے ذرہ ترے شہر میں
ہے جلووں کی دنیا ترے شہر میں

مہک اٹھے گلشن ترے شہر کے
جو مہکا پسینہ ترے شہر میں

نظارہ نظارہ نئی روشنی
اُجالا اُجالا ترے شہر میں

ہے پانی بھی زم زم ترے شہر کا
ہے مٹی مسیحا ترے شہر میں

فضا بھی ہے کوثر ترے شہر کی
ہوا بھی ہے تازہ ترے شہر میں

کبھی ٹھنڈی میٹھی ہوائیں چلیں
کبھی ابر برسا ترے شہر میں

جو بادل نہ برسا کسی شہر پر
وہ بادل بھی برسا ترے شہر میں

ابھی تک ہے شہرہ ترے شہر کا
ابھی تک ہے برکھا ترے شہر میں

ولی کرنالی

ہدیۂ عجز و نیاز بحضور سید الشہداء، شہزادۂ گل گوں قبا

امام عاشقاں سیدنا امام حسین علیہ السلام

دل و نظر کی روشنی ، زماں زماں حسین ہیں
جمال و حسن بندگی ، مکاں مکاں حسین ہیں

وہ ریگ زار کربلا ہے جس کے خوں سے سرخ رو
سدا بہار تازگی ، گراں گراں حسین ہیں

وہ کربلا سے شام تک جو گونجتی ہے آج بھی
اذان حق کی نغمگی ، جہاں جہاں حسین ہیں

سناں کی نوک سے ابھر رہی ہے وہ صدائے نور
جو دم بخود ہے تیرگی ، بیاں بیاں حسین ہیں

یزیدیت ابد کی لعنتوں میں ہے فنا نمو
حسینیت مدام ہے ، زباں زباں حسین ہیں

کہا حسین مجھ سے ہے رسول پاک نے تبھی
جوان کے حسن ذات سے عیاں عیاں حسین ہیں

"انا من الحسین" میں ہیں تا ابد کے رازیوں
بڑھے گا دین مصطفیٰ ، نشاں نشاں حسین ہیں

دروں میں صورت طلب ، بروں میں صورت عطا
جو دل بہ دل حسین ہیں ، تو جاں بجاں حسین ہیں

ظفر مری متاع جاں ، یہ اشک ہائے بے زباں
مرے حروف عجز میں ، نہاں نہاں حسین ہیں

ڈاکٹر ظفر اقبال نوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیعت والے اور ان کی زندگی

حمد و صلوٰۃ کے بعد احباب طریقت اور طالبین حقیقت سے مخاطب ہوں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مشائخ کے درجات میں بلندی لائے اور ہمارے دلوں، ذہنوں اور روحوں کو روشنی بخشے۔ آج چند روحانی امانتیں ہیں جو آپ کے سپرد کرنا چاہتا ہوں:

ضابطۂ ارادت

حضور ﷺ نے قافلۂ انسانیت کو زندگی کی عمارت مضبوط کرنے کے لیے جو بنیاد عطا فرمائی وہ تین اصولوں پر مشتمل ہے۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''شخص نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا جو اللہ کے رب ہونے پر خوش ہو گیا، اسلام کے دین ہونے پر راضی ہو گیا اور محمد ﷺ کے نبی اور رسول ہونے پر خوشی سے استوار ہو گیا''۔ تصوف، روحانیت اور مقصدِ زندگی کا عرفان انہی سہ جہتی اصولوں پر قائم ہے۔ قرآن مجید کے حروف سے لفظوں تک اور آیتوں سے سورتوں تک اسی منہاجِ زندگی کے تبلیغی جلوے ہیں۔

بیعت

حضور ﷺ نے کتابِ حیات قرآنِ حکیم کو اعمال اور تحریکات کی روح بنانے کے لیے بیعت کا نظام دیا۔ بتاتا چلوں کہ حضور ﷺ کا کوئی ایک صحابی رضی اللہ عنہ بھی نہیں تھا جو تشکیلِ بیعت کے مرحلے سے نہ گزرا ہو۔ خلافتِ راشدہ کی آخری کڑی حسن المجتبیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔ ان تک بیعت روح اور بدن کو آراستہ کرنے کے لیے خلفاء ہی یہ جو ہر نور تقسیم کرتے

رہے۔ جب ملوکیت نے اپنے پَر پُرزے کھول لیے تو بیعت بقائے دین کے لیے پرائیویٹ سیکٹر میں منتقل ہوگئی اور یہ سارا بیعت کا روحانی کام ائمہ اہل بیت کی نگرانی میں منتقل ہوگیا اور دینی جدوجہد ایک نئے نظم اور عزم کے ساتھ جلوہ گر ہوئی۔ اب فرض نہ سہی لیکن ضروری ہے کہ ہر مسلمان فلاح اور صلاح کا روحانی نظام اپنائے اور کہیں نہ کہیں مرید بنے۔ یاد رہے کہ اصل بیعت اللہ اور اس کے رسول کی ہوتی ہے۔ صالحین صرف نسبت کو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام کرتے ہیں اور مریدوں کے ظاہری اور باطنی احوال کی نگرانی کرتے ہیں۔

روحِ بیعت

روحانی نظام کی نشوونما جس روح کے ساتھ قائم ہوتی ہے وہ حق پر قائم رہنا ہوتا ہے۔ حق کی اہمیت اس بات سے سمجھیں کہ قرآن نے سینکڑوں بار اذکارِ حق کیا ہے، اس لیے کہ مسلمانوں کے اندر حق کا غلبہ رہے۔ انجیل کی ایک عبارت ہے:

''تخلیق حق سے ہوئی اور حق ایک حرف کی صورت میں جلوہ نما ہوا اور بلاشبہ وہ حرف ہی حق تھا''۔

ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سے گزرے تو آپ نے فرمایا: **''الحق مع ذا''** حق انہی کے ساتھ ہے۔ علی جدھر گھومتا ہے حق ادھر ہی گھوم جاتا ہے۔ یہ حق ہے کہ حق کی جلوہ گری ایک اسم کی صورت میں ہوئی اور قرآن مجید کی پہلی اترنے والی آیت میں بھی یہی کہا گیا کہ اپنے رب کے عظیم اسم سے پڑھ۔ صرف پڑھنا فائدہ دیتا ہی ہے لیکن اس سے چمک اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اللہ کا اسم دلوں میں ہنگامِ عشق وارد کردیتا ہے۔ یاد رکھو لو بیعت کرو اور حق کے ساتھ زندگی گزار دو۔

دم دم ''ہو اللہ''

ضوابطِ ارادت میں اصل اہمیت دم دم اللہ کا ذکر کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''تم میرا ذکر کرو میں تمہاری یاد قائم کردوں گا''۔ ہمارے مشائخ نے ذکر ہی تلقین کیا اور اسمِ ذات مراقبہ کرنے کی ہدایت کی۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر عقلمند ہونے کی علامت ہوتی ہے۔ اس لئے سالک کے قریب غفلت نہیں آنی چاہیے۔ ذکر و فکر میں یکسوئی تکمیلِ روحانیت میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مست رہنا لذت و اطمینان کا ضامن ہوتا ہے۔

جو مجھے یہ رازِ نہاں ملے
میری خامشی کو زبان ملے

طہارت

صاف ستھرا رہنا ایک مسلمان کی فطری شان ہے۔ وضو مسلمانوں کا اسلحہ ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے تو میری عمر اس وقت آٹھ سال تھی آپ نے مجھ سے فرمایا: ''میرے بیٹے! اگر تم سے ہوسکے تو ہر وقت باوضو رہا کرو، اس لیے کہ وضو کی حالت میں اگر کسی کو موت آجائے تو اسے شہادت کا درجہ حاصل ہوجاتا ہے''۔

عبادت

اللہ کی محبت کا جو شخص ارادہ کرے اُسے چاہیے کہ وہ جان لے کہ انسانوں اور جنوں کی تخلیق عبادت ہی

کے لئے ہوئی ہے۔ مسلمان کی ساری زندگی ہی عبادت ہوتی ہے لیکن یہ بات سمجھ لی جائے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: ''توحید اور رسالت کی سچی گواہی، نماز کا قیام، زکوٰۃ کی ادائیگی، رمضان کے روزے اور زندگی میں توشہ اگر حاصل ہو تو ایک بار حج''۔ خصوصاً نماز کو حضور ﷺ نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا۔ نماز کی حفاظت تصوف میں کامیابیوں کی کنجی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میرے ذکر کے لیے نماز قائم کر''۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بندہ جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اللہ کے سامنے ہوتا ہے۔ جب وہ کسی اور طرف دھیان کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم! جس طرف تو دیکھ رہا ہے کیا وہ مجھ سے بہتر ہے۔ میرے بندے میری طرف منہ کر میں اس سے کہیں بہتر ہوں جس کو تو دیکھے جا رہا ہے''۔ نماز خشوع کے ساتھ ادا کرنا جنت کی کنجی ہے۔ نماز مومن کی معراج ہے۔

نوافل کی پابندی

ایک سچا مسلمان جو کسی کا مرید بن گیا ہو اسے چاہیے کہ وہ فرائض کے ساتھ ساتھ نوافل کی پابندی کرے۔ اشراق، چاشت، اوابین اور تہجد خصوصی طور ر ادا کرنے کی عادت اپنائے۔ جمعہ کے دن اللہ کے لیے خاص کرے۔ جمعہ کے دن غسل کرنا نہ بھولے۔ ایک جمعہ کے غسل سے آنے والے جمعہ کے غسل تک گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ نفل پڑھنے والے ہی کو یہ بشارت ہے کہ اللہ اس کی آنکھ ہو جاتا ہے، جس سے وہ دیکھتا ہے، کان ہو جاتا ہے جن سے وہ سنتا ہے اور ہاتھ بن جاتا ہے جس سے وہ پکڑتا ہے۔

تلاوت قرآن مجید

قرآن مجید کی تلاوت، اس کے معانی میں غور و فکر، اس کی حفاظت کے لیے کوشش طمانیت کا باعث ہوتے ہیں بلکہ تھوڑی یا زیادہ تلاوت کو اپنی منزل بنا لے شروع سے پڑھے آخر تک جائے اور تلاوت کا آغاز کر دے خاص معانی جن کا القا ہوا انہیں ضبطِ حروف میں لے آئے۔ عمل کا جذبہ محنت کے اجر میں اضافہ کر دیتا ہے۔ تلاوت سے طبیعت میں یکسوئی اور ذکر میں دوام پیدا ہوتا ہے۔ پڑھنے کے ساتھ ساتھ قرآن مجید سننے کا بھی شوق ہونا چاہیے۔ قرآن جس وقت زبان اور کانوں کے ذریعے دل میں سما جاتا ہے تو وسوسوں کا زور خود بخود ٹوٹ جاتا ہے۔

صدق اور سچ کی اہمیت

قول، فعل اور سوچ میں اخلاص اور صدق انسان میں چار چیزیں پیدا کر دیتے ہیں: ''تطہیر، تنویر، خوشبو اور محبت''۔ بزرگ فرماتے ہیں کہ جو شخص پسند کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اس کے ساتھ رہے تو وہ صدق اختیار کرے اس لئے کہ اللہ صدیقوں کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صدق نیکی کی راہ دکھلاتا ہے۔

سنت کی پابندی

حضور ﷺ اعلیٰ اقدار اور فضیلتوں کا معیار ہیں۔ حضور ﷺ کی سنت ہی اکمال، کمال اور تکمیل کا سرچشمہ ہے۔ ہر معاملہ میں انہی کی پیروی تقاضائے وحی ہے۔ سلاسلِ تصوف میں اتباع سنت کے بغیر کسی چیز کا اعتبار نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ ہی کا ارشاد گرامی ہے کہ میری اُمت جنت میں جائے گی سوائے اس کے جس نے میرا انکار کر دیا۔ عرض کیا گیا منکر کون

ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میری اطاعت کرنے والا جنتی ہوتا ہے اور میرا نافرمان یعنی سنت کا چھوڑنے والا ہی میرا انکار کرنے والا ہوتا ہے''۔ بندگی اگر تقاضا وحی ہے تو اسوۂ رسول اور سیرت ہی بندگی سکھانے والے معلم ہیں۔ اقبال صحیح سمجھے تھے کہ انسان شخصی اعتبار سے ناقص الطبع، ناقص العقل اور ناقص العمل ہے۔ یہ رحمۃ للعلمین آقا ﷺ کی سنت ہے جو بندے کو کامل الطبع، کامل العقل اور کامل العمل بنا دیتی ہے۔

وہ قبلہ گاہِ اہلِ دل ، حکیم ہیں ، عظیم ہیں
مرے حضور ، رہبرِ صراطِ مستقیم ہیں

حلال اور حرام کی تمیز

ایک سالک اور مرید کے لیے لازم ہے حلال کو نور سمجھے اور حرام کو بہر طور بُرا سمجھے۔ حرام کھانے میں ہو یا لباس میں ہو یا اعمال میں حرام چیز کا ارتکاب ہو جیسے جنسی بے اعتدالی۔ ایک اللہ والے انسان کو مشکوک چیزیں بھی چھوڑ دینی چاہیے اور احتیاط اور پاکیزگی کے ساتھ زندگی گزارنی چاہیے۔

صحبت ٹھیک رکھو

اپنا بیٹھنا اور اُٹھنا، نشست و برخاست، سفر و حضر اور محبت و نفرت سب میں ایک کوشش ہونی چاہیے کہ برے آدمی کی صحبت میں نہیں جانا اور نیک کی صحبت سے محروم نہیں ہونا۔ اچھے آدمی کی دوستی انسان کو اچھا بنا دیتی ہے اور بُرے آدمی کی ہم نشینی آدمی کو برباد کر دیتی ہے۔ شیخ سعدی کی باتوں میں بڑی منطق ہے کہ ایک مرتبہ میرے ہاتھ مٹی لگی جس میں خوشبو رچی بسی ہوئی تھی میں نے پوچھا: تیرے اندر یہ خوشبو کیسی؟ مٹی بولی یوں تو حقیر چیز ہوں لیکن پھولوں کی صُحبت نے مجھے خوشبودار بنا دیا ہے۔

روحانیت، درود شریف سے محکم کرو

حضور ﷺ سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ کثرت کے ساتھ رحمت عالم ﷺ پر درود پڑھا جائے۔ آپ پہ سلام حق رسالت کیا جائے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے مجھ پر ایک مرتبہ دورد پڑھا اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے''۔ درود شریف کی برکت سے روحانیت محکم ہوتی ہے۔ طبیعت نرم پڑ جاتی ہے۔ محسوس ایسے ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی حقیقت سالک کے ساتھ ساتھ ہے۔ حدیث ہے کہ جس شخص نے آپ ﷺ پر ہر روز ہزار مرتبہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس کی موت سے پہلے ہی اسے جنت میں اس کے مقام کی زیارت کرا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی زیارت نصیب فرمائے۔

گوشہ نشینی

کچھ وقت تنہائی میں رہنا اہلِ صدق و صفا کا طریقہ ہے۔ بزرگ کہتے ہیں: ''دین داری کا محفوظ راستہ یہی ہے''۔ حضرت سفیان ثوری کا ارشاد ہے: ''جو شخص خلوت گزین ہو کر اللہ کی عبادت میں مشغول ہوا اللہ تعالیٰ اس کے دل پر حکمت کے دروازے کھول دیتا ہے۔ دنیا سے رغبت ٹوٹتی ہے اور آخرت سے لگاؤ بڑھتا ہے''۔ یہ خاص وقت ہوتا ہے اس میں اپنے گناہوں کی معافی فرماتے رہنا چاہیے، البتہ نماز باجماعت قائم ہونی چاہیے۔ اللہ والے ایسے شخص کو اپنا مرتبہ لوگوں سے

چھپانا چاہیے۔ کہتے ہیں روحانی لوگوں کی عادت میں یہ معمولات شامل ہوتے ہیں کہ وہ کم کھاتے ہیں، کم سوتے ہیں، کم بولتے ہیں اور تنہائی اختیار کرتے ہیں۔

ظاہر اور باطن کی ہم آہنگی

عصرِ حاضر منافقت اور جھوٹ کا دور ہے۔ ہر آدمی کے دو دو چہرے ہیں۔ منافق شخص کا دل مکرو فریب، بغض، حسد اور خیانت ایسی برائیوں سے بھرا ہوتا ہے۔ زندگی میں جس شخص نے محاسبہ کرلیا اور خود کو تیار کرلیا کہ اس نے اپنے ظاہر اور باطن کو یکساں رکھنا ہے وہ سمجھے کہ کامیابی کا خزانہ اس کے ہاتھ لگ گیا۔ اگر منافقت کوئی شخص ختم کرلے تو وہ تواضع کا پیکر بن جائے گا اور عزت داروں کی عزت میں کبھی وہ کمی نہیں کرے گا۔

مناجات و مسامرہ

اللہ سے مانگنا، اس کے سامنے گڑگڑانا اور دردمندانہ طرز میں اللہ کے سامنے اپنی ٹوٹی ہوئی حالت رکھ دینا۔ خلوص سے اللہ کی توجہ چاہنا۔ اس کی نظر کا التماس دل میں رکھنا۔ خود کلامی کے انداز میں اللہ سے باتیں کرنا۔ رحمت کے دروازے کھولتا ہے۔ مسامرہ صوفیہ کی ایک اصطلاح ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ روحیں چپکے چپکے مناجات اور اللہ کی حمد سرائی میں مشغول رہیں اور دل کو باطن کا لطیف سا ادراک ہو۔ مسامرہ ایسی پوشیدہ مناجات ہوتی ہے جس سے روح قلب کی رفاقت کے بغیر لطف اندوز ہوتی ہے۔ دعا، مناجات اور مسامرہ ہر ایک کا اپنا اپنا مقام ہے۔

مریدوں کا طرزِ عمل

حضرت شہاب عمر ابو حفص سہروردی ارشاد فرماتے ہیں:

''مرید کا طرزِ عمل اور طریقہ یہ ہونا چاہیے کہ اس کا اپنا کوئی ارادہ اور اختیار باقی نہ رہے وہ اپنی ذات اور مال میں شیخ ہی کا حکم قطعی جانے۔ مرید شیخ کے سامنے بالکل خاموش بیٹھے اور شیخ کے سامنے کوئی اچھی بات بھی نہ کرے جب تک کہ اجازت نہ ہو۔ شیخ کے سامنے مرید کی مثال اس طرح سے ہے کہ جیسے کوئی سمندر کے کنارے اپنے رزق کے انتظار میں ہو۔ کان ہمیشہ شیخ کی طرف رکھے۔ نظروں کا مطاف بھی شیخ ہی ہو اور سوچ یہ رکھے میری روحانی روزی حضرت کے کلام میں ہے۔ مرید کوئی اپنے بارے میں سوچے کہ میں یہ ہوں اور وہ ہوں تو یہ اس کی بھول ہوگی۔ شیخ مریدوں کے لیے الہام کا محافظ ہوتا ہے، اس لیے شیخ کی طرف سے عطا میں خیانت نہیں ہوتی قصور طلب میں واقع ہوتا ہے''۔

مریدوں کو شیخ سے لقا اور ملاقات اور زیارت کرنے کا سلسلہ جاری رکھنا چاہئے۔ فوائد اور ثمرات اسی میں رکھے گئے ہیں۔

شوق اور وارفتگی

ہمارے شیخ حضرت لالہ جی جمشید فرمایا کرتے تھے کہ شوق کمالات اور اوصاف حمیدہ سکھانے والا معلم ہے۔ ایک مرتبہ میں اپنے والدِ گرامی مرتبت کے ساتھ ٹھنڈیانی کے علاقے میں ایک مجذوب سے ملا۔ وہ نصیحت کرنے لگا کہ شوق کی آگ لگانے والا کوئی مرشد تلاش کرو، اس لیے کہ شوق کے بغیر منزلیں طے کرنا ایک مشکل معاملہ ہے، یہ ایک بے تابی کا نام ہے۔

ابن عطا کا قول ہے:

''شوق دل کی آگ اور جگر کی سوزش ہے۔ قرب کے بعد فراق میں جگر کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کا نام شوق ہے''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقولہ قرآن نے نقل کیا ہے:

قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِىْ وَ عَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى

''فرمایا وہ بھی میرے پیچھے آ رہے ہیں اے میرے رب مجھے تیرے حضور جلدی صرف اس لیے آنا ہے کہ تو راضی ہو جائے''۔ (طہ:84)

یہ آیت بتاتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر شوق کا غلبہ تھا کہ آپ تیز دوڑے اور عرض کرنے لگے میں جلدی اور شوق سے تیری طرف آیا ہوں۔

شیخ فارس فرماتے ہیں:

''اہل شوق کے دل اللہ کے نور سے منور ہوتے ہیں۔ اہل شوق کی نورانی شعاعوں کو مقبولیت حاصل ہوگی اللہ فرشتوں سے فرمائے گا:

''یہ وہ لوگ ہیں جو میرے مشتاق ہیں اے فرشتو میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں بھی ان کا مشتاق ہوں''۔

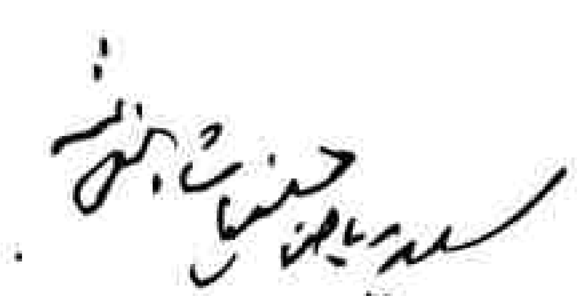

سید ریاض حسین شاہ

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید وفرقان حمید کی تفسیر ''تبصرہ'' کے عنوان سے تحریر کر رہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز و معانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورہ آل عمران کی آیت نمبر 164 تا 167 کی تفسیر پیش کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ
رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ
لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ
اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ
اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَآ
اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ښ وَقِيْلَ
لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ
نَعْلَمُ قِتَالًا لَّااتَّبَعْنٰكُمْ ۭ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَىِٕذٍ اَقْرَبُ
مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ
قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾

''بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا کہ بڑی شان کے ساتھ اٹھایا ان ہی میں سے ایک رسول جو تلاوت کرتا ہے ان پر اس کی آیتیں اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے، کیا ہے کہ جب تمہیں ایک مصیبت پہنچی جس کی دوگنا مصیبت تم پہنچا چکے، تو کہنے لگے یہ کدھر سے ہوئی؟ آپ فرما دو کہ وہ خود تمہاری طرف سے ہے بے شک اللہ ہر چاہی ہوئی چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے، وہ مصیبت جو تمہیں پہنچی اس دن کہ دو فوجیں ملیں وہ اللہ کے حکم سے تھی اس لیے کہ وہ پہچان کرا دے ایمان والوں کی اور پہچان کرا دے ان کی جنہوں نے منافقت کی اور ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑائی کرو یا دشمنوں کو دور کرو، کہنے لگے اگر ہم اسے لڑائی سمجھتے تو ضرور تمہارے پیچھے چلتے، وہ لوگ آج کے روز ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب ہیں، اپنے منہ سے وہ کچھ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں''۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

''بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا کہ بڑی شان کے ساتھ اٹھایا ان ہی میں سے ایک رسول جو تلاوت کرتا ہے ان پر اس کی آیتیں اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے''۔

یہ آیۂ کریمہ رسول اکرم ﷺ کی شگفتہ سیرت اور بلند مقام کے جلوے بیان کرتی ہے۔ آیت کی معنویت اپنی جگہ لیکن معاشرہ پر رسول رحمت کی بعثت کی روح پرور تاثیرات کو جس اسلوب میں بیان کیا گیا ہے وہ قرآن ہی کا حصہ ہے۔ آپ ﷺ کی قائدانہ روحانیت اور صلاحیت اور اُمت کی تربیت میں آپ کا حکیمانہ اسلوب معجزانہ ہے۔ سیرت اور صورت کے منور پیکر کو کتنی اہمیت اور فضیلت بخشی گئی کہ عقائد راسخہ، اعمال حسنہ، عزائم مہمہ، نتائج عظیمہ اور مواعظ جلیلہ کی تاریخ کو محمد ﷺ کے وجود کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔ آیت کا ایک ایک لفظ معارف کا سرچشمہ بنا کر قاریٔ قرآن کے سامنے عیاں کر دیا گیا کہ اب تمہیں خدا کی رحمتیں اور نعمتیں جب بھی درکار ہوں گی تمہیں اسی آبِ حیات کے چشمہ پر آنا ہوگا۔

ربط آیات

☆ گزشتہ آیات میں جہاد کی طرف رغبت دلائی گئی تھی، اس آیت میں جہاد کے لیے حضور ﷺ سے ربط روحانی اور سیرت شناسی کی اہمیت بیان کی گئی ہے (570)۔

☆ گزشتہ آیت میں رحمت عالم ﷺ کا بے عیب ہونا بیان کیا گیا، اب اس آیت میں لوگوں کو بے عیب بنا دینے والی سیرت بیان کر دی گئی (571)۔

☆ گزشتہ آیت میں حضور ﷺ پر لگائے گئے الزامات دور کیے گئے، اب اس آیت میں خوبیوں سے متصف ہونا بیان کیا گیا۔

☆ آیت میں حضور ﷺ کے اوصاف، فضائل، کمالات اور نعمتیں

نفیس طریقے سے بیان کر دی گئیں (572)۔

☆ گزشتہ آیت میں مسلمانوں کے درجات کا بیان ہوا، اب اس آیت میں درجات کا وسیلہ بتا دیا گیا (573)۔ واللہ اعلم

''مَنّ'' اور آئینہ سیرت کی شفافیت

☆ پہلا نکتہ یہ ہے کہ قرآن حکیم نے سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے: ''اور ہم نے تم پر من اور سلویٰ اتارا'' اس اعتبار سے آسمان سے اترا ہوا غیبی رزق ''مَنّ'' ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی قیادت کا وصف لابدی بیان ہوا کہ آپ کی ہر بات آسمانی تھی یعنی اللہ کی طرف سے تھی۔ آپ کوئی بات بھی اپنی مرضی سے نہیں کرتے تھے بلکہ اللہ کی مرضی سے کرتے تھے۔

☆ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ علامہ آلوسی نے روح المعانی میں لکھا کہ ''مَنّ، یمن'' کا معنیٰ قطع کر دینا اور کاٹ دینا ہوتا ہے۔ اس سے اشارہ اس طرف کر دیا گیا کہ آپ پر نبوت ختم کر دی گئی۔ آپ آخری نبی اور رسول ہیں آپ کے بعد کسی نبی اور رسول کی بعثت نہیں ہو سکتی۔

☆ تیسرا نکتہ یہ ہے کہ سورۃ الحجرات کے اندر ''یَمُنُّوْنَ'' کا لفظ احسان جتانے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان عظیم ہونے پر اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان جتایا ہے۔ یہ اس لیے کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ یہ نعمت چھوٹی نہیں عظیم ہے۔ اس کی بے قدری انہیں خسارۂ عظیم سے دوچار کر دے گی۔

☆ چوتھا نکتہ یہ ہے کہ ''مَنّ'' میٹھے حلوے کے لیے قرآن حکیم نے استعمال فرمایا ہے۔ اس سے اشارہ اس طرف کرنا مقصود ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت جہاں شگفتہ تھی وہاں اس میں مٹھاس اور شیرینی تھی، آپ کی ہر بات میں حلاوت ہوتی تھی۔

☆ پانچواں نکتہ یہ ہے کہ ''مَنّ'' اس احسان اور وفورِ نعمت کے لیے استعمال ہونے والا لفظ ہے جس کے حاصل کرنے میں کسی قسم کی محنت اور مشقت نہ اٹھائی جائے بلکہ بلا معاوضہ کوئی چیز عطا کر دی جائے۔ اس میں سیرت کا نکتہ یہ مضمر ہے کہ اللہ نے تم لوگوں سے کوئی اجر یا معاوضہ تھوڑا ہی لیا ہے بلکہ تمہارے بخت اور تقدیریں اُجالنے کے لئے ایسا رسول عطا کیا ہے جو سراپائے رحمت ہیں اور تم سے مشقتیں دور کرنے کے لیے کرم کا سمندر بنے رہتے ہیں۔

☆ چھٹا نکتہ یہ ہے کہ باٹوں اور پیمانوں میں ایک باٹ ''مَنّ'' ہوتا ہے۔ عام طور پر عرب جس چیز کو وسیع اور لامحدود کر کے بیان کرنا چاہیں اس کے لیے ''مَنّ'' لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اس سے سیرت کے اس نکتہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ تم لوگ میرے محبوب کا مقام اور فضیلت کماحقہ نہیں جان سکتے۔ اس میں اتنی وسعت ہے کہ ''غالب ثنائے خواجہ بیزداں گذاشتیم'' والی بات ہے۔

☆ ساتواں نکتہ یہ ہے کہ ابن فارس نے ''مَنّ'' کا معنیٰ مسلسل جاری رہنا بھی لکھا ہے۔ اس اعتبار سے سیرت کی خوشبو اس میں یہ ہوگی کہ ہر چشمہ خشک ہو سکتا ہے، بارش رک سکتی ہے اور فیض ختم ہو سکتا ہے لیکن سیرت محمدیہ کا فیض مسلسل اور دائمی ہے اس نے کبھی رکنا نہیں۔

☆ آٹھواں نکتہ یہ ہے کہ تاج نے ''مَنّ'' کا معنیٰ پرانا بھی لکھا ہے۔ ''ثوب منین'' پرانے کپڑے کو کہہ دیتے ہیں۔ اس اعتبار سے سیرت کے پرانا ہونے کا مفہوم یہ ہوگا کہ ہر نبی اپنے زمانے میں ان کا ذکر اور تذکرہ کرتا رہا۔

☆ نواں نکتہ یہ ہے کہ ''مَنّ'' وہ ہوتا ہے جس میں منّان کی محبت کو دخل ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے سیرت وہ ہوگی جس میں منّان کی محبت جلوہ گر ہو۔

☆ دسواں نکتہ یہ ہے کہ راغب اور لسان وغیرہ مؤلفین نے لکھا کہ ''تمنین'' کا مطلب تھکا دینا بھی ہوتا ہے۔ اس میں سیرت کا یہ نکتہ شامل ہوگا کہ وہ ہستی جس کے اوصاف گن گن کر بندہ تھک جائے لیکن کتاب اوصاف ختم نہ ہو (574)۔

رازی کا فہمِ رسا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام جہانوں کے لیے اللہ کا احسان اور رحمت ہے جیسا کہ قرآن تمام انسانوں کے لیے پیغام ہدایت ہے لیکن اس ہدایت سے چونکہ مستفید صرف متقی لوگ ہوتے ہیں اس لیے قرآن مجید نے کہہ دیا کہ قرآن متقین کے لیے ہدایت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام عوالم کے لئے رحمت و اطمینان لے کر مبعوث ہوئے لیکن مستفید صرف مومنین ہوتے ہیں اس لئے آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مومنین کے لیے احسان قرار دیا گیا۔

علامہ رازی لکھتے ہیں کہ منافع کے لحاظ سے محمدی بعثت دو امور پر مشتمل ہے (575):-

☆ ایک تو وہ منفعتیں ہیں جو اصل بعثت کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں

☆ دوسرا وہ نفع ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل اور فضائل سے حاصل ہوا ہے۔ وہ خصائل جو آپ کے علاوہ کسی میں موجود ہی نہیں۔

ظہور منفعت کی وجوہات

امام ابوعبداللہ حلیمی لکھتے ہیں:

☆ مخلوق فہم کے اعتبار سے کمزور پیدا ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دلائل سے حق واضح کیا اور دلوں میں پیدا ہونے والے شبہات کا ازالہ فرمایا۔

☆ دوسرا یہ کہ مخلوق کو اپنے خالق کے حقوق کا عرفان ہو بھی جائے تو وہ خالق کا حق ادا کرنے کی کیفیت نہیں جانتی۔ یہ وضوح اور کیفیت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ ہی سے ممکن ہوا ہے۔

☆ تیسری وجہ یہ کہ مخلوق میں فطری سستی، کاہلی اور غفلت موجود ہوتی ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں کہ ترغیب و ترہیب سے سستی دور کی۔

☆ چوتھی یہ کہ جیسے آنکھ کی روشنی خارجی نور ہی سے کام کرتی ہے مخلوق کی عقلیں نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے صحیح ادراک کا کام کر سکتی ہیں۔

استدلال کے لطائف خمسہ

☆ استدلال کی پہلی لطیف اور روشن شعاع یہ ہے کہ قرآن حکیم نے آپ کی بعثت کے ساتھ ''اَنْفُسِهِمْ'' کی قید لگائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے شہر میں پیدا ہوئے، ان کے درمیان زندگی گزاری۔ آپ کی ولادت معروف قبیلے میں ہوئی اور آپ کے احوال و واقعات سے وہ لوگ موبہو آگاہ رہے۔ آپ کے صدق اور امانت اور عفت اور پاکیزگی سے بچہ بچہ آگاہ رہا۔

☆ استدلال کی دوسری نورانی شعاع یہ رہی کہ وہ لوگ جانتے تھے کہ

آپ ﷺ کسی کے شاگرد نہیں رہے، آپ ﷺ نے کوئی کتاب نہیں پڑھی، آپ ﷺ نے کسی سے درس نہ لیا۔ اس کے باوجود امم سابقین کے واقعات آپ نے نزولِ وحی کے بعد فر فر بیان کئے۔

☆ بلوغِ عقل کی تیسری تابندہ شعاع یہ ہے کہ آپ کے سامنے مادی منفعتوں کے ڈھیر لگا دیے گئے لیکن آپ کسی چیز کی طرف متوجہ نہ ہوئے بلکہ فقر و مصیبت پر قانع رہے اور جب آپ غالب آ گئے تو پھر بھی دنیا اور مادیت کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔

☆ صداقتِ عقیدہ کی پائندہ شعاع جو استدلال میں چوتھی جہت بنتی ہے کہ آپ ﷺ نے توحید اور صفاتِ توحید، عدل اور نفوذِ عدل، قیامت اور عقیدۂ معاد اور عبادات اور طاعات کو مبسوط طریقے سے بیان کیا، یہ روشنی روز بروز بڑھی کم نہ ہوئی۔

☆ اس طرح پانچویں نورانی شعاع یہ ہے کہ آپ نے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے لوگوں کو توجہ سے نوازا اور انہیں خیرِ اُمت بنا دیا اور علم و عبادت اور حکمت و عمل میں وہ قوم بنا دیا جو اگلوں پچھلوں سے افضل ٹھہرے (576)۔

وانہ لذکر لک ولقومک

اس پر خوشبوؤں کا چھڑکاؤ کرتی محسوس ہوئی۔ واللہ اعلم

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٦٥﴾

''کیا ہے کہ جب تمہیں ایک مصیبت پہنچی جس کی دوگنا مصیبت تم پہنچا چکے، تو کہنے لگے یہ کدھر سے ہوئی؟ آپ فرما دو کہ وہ خود تمہاری طرف سے ہے بے شک اللہ ہر چاہی ہوئی چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے''۔

قاریٔ قرآن کو شعور اور سوچ کے اعتبار سے ماضی کی وقوعی حقیقتوں کے روبرو کیا جا رہا ہے کہ تم مسلمانوں نے بدر میں اعدائے دین کو شکست دی ہے اور اُحد میں بھی تم نے مشرکین کے دانت کھٹے کیے اور شروع میں ان کو شکست دے دی لیکن تم میں سے ایک طبقہ رسولی حکم پر پابند نہ رہ سکا اور مسلمانوں میں نقصان کی ایک لہر اٹھی لیکن اللہ کی مدد ہوئی اور مسلمان سنبھل گئے لیکن ایک ذہن اس سوچ کو دل سے لگا بیٹھا کہ ہمارے ساتھ یہ کیا ہوا؟ جب ہم سچے ہیں تو پھر نصرت ہی نصرت ہونی چاہیے تھی۔ قرآن مجید نے مختصر لیکن جامع جواب دے کر کتابِ بحث بند کر دی کہ یہ جو کچھ ہوا تمہاری ہی کمائی ہے۔

قرآن مجید نے اس آیت میں مسلم ذہن کی تربیت کی ہے کہ تم یہ نہ سمجھو کہ تمہارے فیصلے، تمہاری تقصیرات، تمہارے اقدامات، تمہاری کوششوں کے عواقب اور نتائج پر اثر انداز نہیں ہوں گے۔ دعاؤں کے اثرات اپنی جگہ پر، معجزات کی تسخیرات کا مقام اپنا اور پاکیزہ وجود رکھنے والوں کی برکتیں تاریخی فضیلتوں کی حامل سہی لیکن جولانگاہِ حیات میں کوئی یہ نہ سمجھے کہ عمل اور تگ و تاز کا کردار زیرو ہوتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ ہر شخص خود کو اللہ کی سنتِ فطرت کے حوالے کر دے۔ یہاں کا ایک نظامِ عدل ہے۔ کھجور کے پیڑ پر آم پیدا نہیں کیا جا سکتا ہے۔ فطرت کے کٹہرے میں کسی کی رو رعایت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ تو ہر ایک کو نوازنا چاہتا ہے، یہ ہم خود ہی ہوتے ہیں جو حالات کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے لیکن اس نے خود احوال و واقعات کی پشت پر تقدیر رکھ دی ہے۔ جہاں حوادث کا علم اللہ کے پاس ہوتا ہے ایسے ہی حکمتوں کا صحیح علم بھی اللہ ہی کے پاس ہوتا ہے۔ ہر حرکت اور ہر سکون کے پیچھے تقدیر کا دریا بہہ رہا ہوتا ہے، بندے کا کام خود کو اسی دریا میں پھینک دینا ہے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٦٦﴾

''وہ مصیبت جو تمہیں پہنچی اس دن کہ دو فوجیں ملیں وہ اللہ کے حکم سے تھی اس لیے کہ وہ پہچان کرا دے ایمان والوں کی''۔

قرآن مجید اُحد کا منظر قاریٔ قرآن کے سامنے لے آتا ہے جب دو گروہ مقابلے کے لیے ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار ہوئے۔ ایک ایمان والوں کی جماعت تھی جس کی قیادت حضرت محمد ﷺ خود فرما رہے تھے اور دوسری طرف ایک گروہ تھا جو ظلمتوں میں ڈوبا ہوا تھا اور اسلام کا جھنڈا سرنگوں کرنے کی کوشش میں تھا۔ عساکرِ شر و ظلمت ابوسفیان کی قیادت میں نکلے تھے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ اس دن جو تم مسلمانوں پر مصیبت ٹوٹی تو وجہ یہ تھی کہ یہ سب کچھ ''اذن الٰہی'' سے ہوا اور اس لیے ہوا کہ جو اصحاب عزیمت ہیں، بہادر ہیں اور ان کا عشق اُحد کے میدان میں شعلۂ جوالہ بنے ہوئے محسوس ہوتا ہے اللہ ان کا امتیاز قائم کرنا چاہتا ہے۔ ابو دجانہ اور علی رضی اللہ عنہما کی تلواریں جب ہدفِ کفر پر صاعقہ بن کر برستی ہوں گی تو اذن اللہ یہ تھا کہ دنیا کو اللہ ان کی پہچان کروا دے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ جب حضور ﷺ کے ساتھ ڈھال بن کھڑے ہوں گے تو اذن اللہ یہ تھا کہ اس باوفا اور جان کیش قوم کے بارے میں کوئی غلط فہمی میں نہ رہے کہ اسلام جھاگ ہے جس کو بٹھایا جا سکتا ہے اور مٹایا جا سکتا ہے۔ آیت کی روح کو سمجھنے کے لیے المحرر الوجیز کی ایک روایت ملاحظہ ہو (577):

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے قادسیہ کی جنگ میں دیکھا کہ حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم الاعمیٰ زرہ پہنے ہوئے ہیں اور اس کی اطراف کھینچ رہے ہیں اور ان کے ہاتھ میں سیاہ رنگ کا جھنڈا ہے۔ انہیں سمجھایا گیا آپ تو شریعت میں معذور قرار دیے گئے ہیں پھر یہ اہتمام کیسا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں اپنی ذات کے ساتھ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کر رہا ہوں اور یہ بھی آپ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں میرا وجود کیسا لگتا ہے؟''

عمودِ تفسیر یہ ہے کہ آیت شوق کے قافلوں کی حوصلہ افزائی کرتی ہے اور اعلان کرتی ہے کہ مومن مجاہدوں کا اللہ کی راہ میں اپنا ایک مقام ہے۔ یہ قدم قیامت تک بڑھتے رہنے چاہئیں۔

منافقین کا کردار اور قرآن کی روشنی

قرآن مجید کی اس آیت میں قرآنی علم کا چراغاں کر دیا گیا، روشنی لوگوں کے سینوں میں کھب گئی، ایکسرے مشین کی شعاعیں کرداروں کو بے نقاب کرنے لگ گئیں۔ قرآن طعنوں کی کتاب نہیں اور عیب چینی بھی اس کتاب کا بنیادی مقصد نہیں، یہ تو علم و عمل کی پختہ اور تقدیر بدل راہ ہے، یہ رہنمائی میں بخل نہیں کرتی، اس نے جو واضح کرنا ہوتا ہے وہ واضح کر دیتی ہے۔ یہاں آیت

نے کھل کر بیان کر دیا کہ وہ لوگ جنہوں نے نفاق برتا، وہ جس کھیل کی طرف بڑھے انہیں ڈھیلا اور مہمل نہیں چھوڑا جا سکتا۔ کمزور لوگوں کی کمزوریوں کا علاج ممکن ہے لیکن منافقین کے گند پر پردہ ڈال دینا دعوت و نہضت کو تباہ کرنے والی بات ہے۔ آیت کے فہم کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ''نفاق'' کا معنیٰ عرض کر دیا جائے۔

تاج العروس نے لکھا (578) کہ بچھو کے سوراخ کے دو دروازے ہوتے ہیں۔ ایک کو ''قاصعاً'' کہتے ہیں اور دوسرے کو ''نافقاً'' کہا جاتا ہے۔ وہ ایک میں خطرہ محسوس کرے تو دوسرے سے نکل جاتا ہے۔ علامہ رشید رضا نے لومڑی کے گھر کی بھی یہی کیفیت لکھی ہے۔ منافق کو منافق اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اپنے لیے دو راستے تجویز کرتا ہے، اظہار اسلام کا راستہ اور کفر کا راستہ، وہ ضرورت و نفع اور خطرہ دیکھ کر سرک جاتا ہے۔ شیخ الانباری نے لکھا کہ ''نفق'' سرنگ کو کہتے ہیں جیسے وہ ڈھانپ لینے والی ہوتی ہے، منافق بھی اپنے آپ کو ڈھانپے ہوتا ہے۔ فخر الدین رازی نے ''نافقاً'' کی تفصیل یہ بھی لکھی ہے کہ یہ وہ سوراخ ہوتا ہے جو بچھو زمین میں بنالیتا ہے اور وہ اوپر والی زمین کو نرم رکھتا ہے، جب ضرورت پڑے تو نرم حصے سے بھاگ جاتا ہے۔ منافق بھی اپنے باطن میں کفر چھپائے ہوتا ہے لیکن جب بھی اس نے بھاگنا ہوتا ہے نرم راستے سے بچ کر بھاگ جاتا ہے (579)۔

اور جب ان سے کہا جاتا ہے

کون کیا ہے؟ یہ فیصلے اور عواقب بعد کی چیز ہے اللہ کے راستے کی طرف بلانے والی آواز کو گونجتے رہنا چاہیے۔ منافقین کے بارے میں یہ کہا جا رہا ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں قتال کرو۔ اصل میں لوہا مقناطیس کی طرف کھنچتا ہے ایسے ہی دعوتِ قتال و جہاد صرف مومن ہی سن سکتا ہے۔ منافق مٹی کا ڈھیلا ہوتا ہے اسے کیا پتہ مقام ایمان کیا ہے؟ وہ بہانے بناتا ہے، حیلہ گریاں کرتا ہے اور مفاد پرستیاں اس کی خُو بُو میں رچ بس چکی ہوتی ہیں۔ مدینہ کا معروف منافق راستے ہی سے اپنے لوگوں کے ساتھ واپس ہو گیا تھا اور یہ منفی پراپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا تھا کہ اگر ہم اسے قتال سمجھتے تو ہم ضرور ساتھ دیتے۔ آیت نے ان کا پردہ فاش کر دیا اور اسلامی صفوں سے انہیں جدا کر دیا۔

قاریٔ قرآن!

اس دن سے ڈرنا چاہیے

جب مالک اپنے بندوں سے برأت کر دے

اور ان کے عیبوں کو فاش کر دے

اور سورج کی شعاعیں

کسی وجود کو ننگا کر دیں بلکہ

اپنی تابکاری سے حماموں کی دیواریں بھی جلا دیں

اور انسان کی اصل تصویر ننگی نظر آنے لگ جائے

اللہ!

ہم کو ہم سے زیادہ جاننے والے

پیرویٔ رسالت کا اصل حسن کردار بنا کر نصیب کر دے۔

دو راستے اور اہم فیصلہ

قرآن مجید نے صاف طور پر کہہ دیا کہ اسلام لڑائیوں کا فریق نہیں ہوتا وہ ''سبیل اللہ'' کا شعور دیتا ہے اور مسلمانوں کی جنگ ''رجال اللہ'' بن کر ہوتی ہے۔ وہ طالب دنیا نہیں ہوتا طالب رضا ہوتا ہے اور جنگوں میں یہ بات بھی اہمیت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے کہ اپنے اہل و مال اور اموال کے دفاع کا شعور تو ہونا چاہیے، کہا گیا کہ منافقین کی الٹی کھوپڑی دیکھیے کہ نہ ''سبیل اللہ'' کے تقاضوں کو سمجھ رہے ہیں اور نہ دفاع اہل و عیال کی منطق سمجھ رہے ہیں بس ایک ہی جنون دماغ پر سوار ہے کہ ہم نے تحریک اسلام کو نقصان پہنچانا ہے۔

ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب

قرآن مجید اپنی حکیمانہ سوچ کی روشنی مزید ارزاں کرتا ہے کہ منافقین کسی بھی طرح اپنے احتجاج اور استدلال میں درست نہیں ہو سکتے۔ آیت اپنے منطقی اسلوب میں ان کی باطنی حالت کو کھول رہی ہے کہ جو کچھ یہ لوگ اپنے مونہوں سے کہہ رہے ہیں وہ کچھ ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ ان کو اندر باہر سے نفاق کی بیماری نے گھیر رکھا ہے، یہ لوگ اپنی ذاتی حیثیات کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں، اسلام اور صاحب قرآن کے یہ لوگ مقام ہی کو سمجھ نہیں پا رہے۔ خصوصاً آج کے دن جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ ان کے کفر سے قریب ہونے کی مضبوط دلیل ہے۔

آیت کے آخر میں

منافقین کے تخالفات اور اسلام کو نقصان پہنچانے والے رویئے جان کائنات کی روحانی دعوت کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اللہ تعالیٰ ان کی سازشوں کے تار و پود کو بکھیرنے پر قادر ہے اور ان کے ان سیاہ کرتوتوں کو جانتا ہے جن سے وہ اسلامی تصور حیات کو کمزور کرنا چاہتے ہیں۔

حوالہ جات

(570) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(571) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان نعیمی

(572) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان نعیمی

(573) تفسیر المنار: رشید رضا مصری

(574) اس مقالہ کی تیاری میں یہ کتب پڑھی گئیں: تفسیر کبیر، تفسیر بیضاوی، تفسیر ابن عاشور، تاج العروس، المفردات، لسان العرب، تفسیر نعیمی، آلوسی، روح البیان، معانی اور المنار وغیرہ

(575) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(576) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(577) المحرر الوجیز: ابن عطیہ ایضاً قرطبی

(578) تاج العروس: زبیدی حنفی

(579) تفسیر کبیر: رازی ایضاً لسان العرب ایضاً المفردات

مبغضین اہلبیت کا یہودیوں کے ساتھ حشر

حافظ سخی احمد

جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ: خَطَبَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعْتُهُ وَهُوَ يَقُولُ: »أَيُّهَا النَّاسُ مَنْ أَبْغَضَنَا أَهْلَ الْبَيْتِ حَشَرَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَهُودِيًّا« فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، وَإِنْ صَامَ وَصَلَّى؟ قَالَ: »وَإِنْ صَامَ وَصَلَّى، وَزَعَمَ أَنَّهُ مُسْلِمٌ، أَيُّهَا النَّاسُ، احْتَجَرَ بِذَلِكَ مِنْ سَفْكِ دَمِهِ، وَأَنْ يُؤَدِّيَ الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ (المعجم الاوسط)

''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ہم سے خطاب فرمایا اور میں نے آپ ﷺ کو یہ خود فرماتے ہوئے سنا: اے لوگو! جو ہمارے اہل بیت سے بُغض رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے قیامت کے دن یہودیوں کے ساتھ جمع کرے گا تو میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! اگرچہ وہ نماز، روزہ کا پابند ہی کیوں نہ ہو اور اپنے آپ کو مسلمان ہی سمجھتا ہو؟ آقا کریم ﷺ نے جواباً فرمایا: چاہے وہ روزہ اور نماز کا پابند ہی کیوں نہ ہو اور خود کو بھلے مسلمان بھی سمجھتا رہے۔ اے لوگو! یہ لبادہ اوڑھ کر اُس نے اپنے خون کو مباح ہونے سے بچایا اور یہ کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔ وہ گھٹیا اور کمینے لوگ ہوں گے''۔

امام طبرانی نے اس حدیث پاک کو المعجم الاوسط میں روایت کیا ہے، نیز امام ذہبی نے میزان الاعتدال اور امام ہیثمی نے مجمع الزوائد میں بھی اسے بیان کیا ہے۔ زیر مطالعہ فرمانِ رسول پاک ﷺ میں مبغضِ اہلبیت کے بارے میں وعید بتائی گئی کہ اُس کا انجام یہودیوں کے ساتھ ہوگا۔ لہٰذا یہ سمجھنے کی بات اور مقام ہے کہ نواصب اور یہودیوں کے درمیان مماثلت کو تلاش کیا جائے۔

1۔ کتمانِ علم و کتمانِ حق

یہودیوں کی یہ صفت قرآن مجید نے بیان کی ہے کہ باوجود جاننے اور پہچاننے کے وہ مانتے نہیں تھے اور وہ کتمان علم اور کتمان حق کے سنگین جرم کے مرتکب ہوتے رہے۔ آقا کریم ﷺ کے اوصاف، کمالات، اخلاق وسیرت اور نشانیوں کو تورات سے واضح طور پر جاننے کے باوجود وہ حضور ﷺ کے مقام اور مرتبہ کو لوگوں سے اس لیے چھپاتے تھے تاکہ کہیں لوگ اُن کی بارگاہ میں جا کر ایمان قبول نہ کر لیں۔ سورۃ البقرۃ میں ارشاد فرمایا:

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (146)

''وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ پہچانتے ہیں انہیں جیسے کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور یقیناً اُن میں ایک گروہ ہے جو حق کو چھپاتا رہے گا اور ایسا وہ جان بوجھ کر کریں گے''۔ (تذکرہ)

اسی طرح سے سورۃ الانعام میں ارشاد فرمایا:

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمُ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (20)

''وہ جنہیں ہم نے کتاب دے رکھی ہے وہ اس نبی کو یوں پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، ایسے لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں مبتلا کر دیا ہے وہ ایمان نہیں لاتے''۔ (تذکرہ)

یہی حال دشمنانِ اہلبیت کا بھی ہے کہ وہ مناقب وفضائل اہلبیت سے مکمل آگاہ ہوتے ہیں مگر وہ اُن مناقب کو چھپانا چاہتے ہیں۔ اس مقصد کیلئے کبھی جھوٹی روایات گھڑی جاتی ہیں، کبھی سچی روایات کی باطل تاویل کی جاتی ہے، ذکرِ اہلبیت سُن کر چہرے اُتر جاتے ہیں اور بات بدلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی وہ تمام عادات تھیں جو یہودی سید الانبیاء ﷺ کی ذاتِ پاک اور ذکرِ پاک کے ساتھ کرتے اور نواصب آلِ رسول کے بارے میں یہی رویہ اپناتے ہیں۔ امام شافعی علیہ الرحمہ نے ایسوں کی نشاندہی کرتے ہوئے ہی ارشاد فرمایا تھا:

اذافی مجلس ذَکَرَ و اعلیاً
و سِبطَیہِ وَ فاطمۃَ الزَّکیۃَ

''جب کسی محفل میں ذکرِ علی علیہ السلام ہو یا ذکرِ سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا ہو یا اُن کے دو فرزندوں کا ذکر ہو تب کچھ لوگ اس واسطے کہ لوگوں کو ذکرِ محمد ﷺ و آلِ محمد ﷺ سے دور رکھیں''۔

فَاجریٰ بَعضُھم ذِکریٰ سِوٰاہُ
فَاَیقَنَ اَنَّہٗ سَلقَلَقِیَۃَ

دوسری باتیں چھیڑ دیتے ہیں۔ تمہیں یہ یقین کر لینا چاہئے کہ جو کوئی اس خاندان کے ذکر کیلئے اس طرح مانع ہوتا ہے وہ بدکار عورت کا بیٹا ہے

اِذا ذَکَرُوا عَلیاً اَو بَنیہِ
تَشاغَلَ بِالرِّوایاتِ العَلیۃِ

وہ لمبی روایات درمیان میں لے آتے ہیں کہ علی وفاطمہ رضی اللہ عنہما اور اُن کے دو نوں فرزندوں کا ذکر نہ ہو سکے

یَقال تَجاوَزُوا یاقومِ ھٰذا
فَھٰذا مِن حدیثِ الرّافِضِیَۃِ

وہ یہ کہتے ہیں کہ اے لوگو! ان باتوں سے بچو کیونکہ یہ رافضیوں کی باتیں ہیں

بَرِئتُ الی المُھَیمِن مِن اناسٍ
یَرونَ الرَّفضَ حُبَّ الفاطِمِیۃِ

میں (امام شافعی) اللہ کی طرف سے ان لوگوں سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں جو سیدہ

پاک بتول فاطمہ علیہا السلام سے عقیدت و محبت کرنے والے کو رافضی کہتے ہیں۔

عَلٰی آلِ الرَّسُولِ صَلٰوۃُ رَبِّی
وَ لَعْنَتُہٗ لِتِلْکَ الْجَاهِلِیَۃِ

"میرے رب کی طرف سے درود وسلام ہو آلِ رسول پر اور اس طرح کی جہالت (یعنی محبانِ آلِ رسول کو گمراہ یا رافضی کہنا) پر لعنت ہو"۔

اللہ رب العالمین اپنے پاک محبوب ﷺ کے پاک محبوبوں سے نسبت و محبت عطاء فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید الانبیاء والمرسلین

2۔ حسد

یہودیوں کی ایک غلیظ صفت محبوب رب العالمین ﷺ سے حسد تھی جس کی وجہ سے وہ ایمان کی نعمت سے محروم رہے۔ قرآن مجید نے اس بات کو یوں آشکار فرمایا:

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (البقرۃ:۱۰۹)

"اہل کتاب میں سے بہت سے لوگوں نے چاہا کہ تمہیں تمہارے ایمان لانے کے بعد کسی طرح کفر کی طرف پھیر دیں، یہ حسد ہے ان کے نفسوں کا بعد اس کے کہ حق ان کے لیے خوب واضح ہو گیا تو معاف کر دو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے۔ بے شک اللہ ہر چاہے پر قدرت رکھنے والا ہے"۔ (تذکرہ)

مبغضین اہلبیت کا المیہ بھی یہی ہے کہ اُن کے سینے آلِ رسول سے حسد اور کینہ سے بھرے ہوتے ہیں۔ چودہویں کا چاند اپنی پوری آب و تاب سے روشن ہوتا ہے مگر یہ محرومین قسمت اس کی چاندنی سے محروم ہی رہ جاتے ہیں۔ آسان سی بات ہے کہ کربلا کی چھاتی پر کھڑے حسین پاک علیہ السلام اعلان کر رہے تھے کہ اس وقت دُنیا میں آسمان کے نیچے اور زمین کے اُوپر صرف میں اکیلا ہی نواسۂ رسول ہوں، میں ہی تو ہوں جو جنتی جوانوں کا سردار ہوں، میں ہی تو ہوں کہ جس کے نانا کا کلمہ تم پڑھتے ہو۔۔۔۔۔۔۔۔ مگر حسد کے بھڑکتے شعلوں نے ان مبغضین کو ہر اک جہان میں برباد کر دیا۔

3۔ عہد شکنی

ناصبیوں کی ایک اور صفت جو یہودیوں سے مشابہ ہے وہ عہد شکنی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ رب العالمین نے ارشاد فرمایا:

فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَىٰ خَائِنَةٍ مِّنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (المائدۃ:۱۳)

"تو ان کی عہد شکنی کی بنا پر ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا وہ اللہ کی باتوں کو اپنی جگہ سے ایک طرف ہٹا دیتے ہیں اور بھلا دیا ایک بڑا حصہ ان نصیحتوں کا جو انہیں کی گئیں اور آپ ہمیشہ ان کی خیانت کاریوں پر مطلع ہوتے رہیں گے سوائے چند کے، تو آپ انہیں فرما دیں اور درگزر فرمائیں ان سے بے شک اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے"۔ (تذکرۃ)

اگرچہ تاریخ کے جھروکوں پر پڑے ہوئے بوسیدہ جالوں کو چھیڑا نہ بھی جائے تو بھی یہ بات بچہ بچہ جانتا ہے کہ کب کب کس کس نے خاندانِ رسالت سے وعدے کیے، معاہدے کیے اور پھر اُن وعدوں و معاہدوں کی کسی ایک بھی شق پر عمل نہ ہو سکا۔ یہ ایسے قعر مذلت میں گرے ہوئے ہوتے ہیں کہ اپنے وفاداروں سے کیے ہوئے وعدوں کو بھی پورا نہیں کرتے۔ ابن سعد کو قتل حسین پاک علیہ السلام پر صوبہ رَے کی حکومت کے وعدے پر تیار کیا گیا مگر وہ وعدہ بھی وفا نہ ہو سکا۔

4۔ لالچ و دُنیا پرستی

نواصب اور یہودیوں کے درمیان ایک صفت مشترک لالچ، حرص اور دُنیا پرستی بھی ہے۔ یہودیوں کے بارے میں قرآن مجید نے غلامانِ رسول ﷺ کو آگاہ فرمایا کہ سود، رشوت ستانی، خیانت، ناجائز منافع خوری سمیت لالچ و حرص و ہوس کی ہر گندی عادت اس قوم میں ہے۔ دشمنانِ اہلبیت کے بارے میں تو آقا کریم ﷺ کی دُعا ہی یہ ہے جسے امام دیلمی نے روایت کیا ہے:

اللَّهُمَّ أرزق من أبغضني وَأبغض أهل بَيتي كَثْرَة المَال والعيال كفاهم بذلك غيا أَن يكثر أَمْوَالهم فيطول حسابهم وَأَن يكثر عيالاتهم فيكثر شياطينهم

"حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! جو مجھ سے اور میرے اہل بیت سے بغض رکھتا ہے اسے کثرت مال اور کثرت اولاد سے نواز۔ یہ ان کی گمراہی کے لیے کافی ہے کہ ان کا مال کثیر ہو جائے پس ان کا حساب طویل ہو اور یہ کہ ان کی جذباتی چیزیں بھی زیادہ ہو جائیں تا کہ ان کے شیاطین بھی کثرت سے ہو جائیں"۔

رسول اللہ ﷺ کے نواسہ، حضرت علی المرتضیٰ و ملکۂ جنت علیہما السلام کے لختِ جگر امام حسین پاک علیہ السلام کے قیامت تک آنے والے دُشمن یہ نہ سمجھیں کہ جو دُنیا اُنہیں دی جا رہی ہے۔ یہ اُن کیلئے کوئی نعمت ہے بلکہ دُنیا کا مال و اسباب اس وجہ سے دیا گیا ہے کہ اُن کے شیطان زیادہ ہو جائیں اور دُنیا و آخرت میں اُن کی ذلتوں میں اور اضافہ ہو جائے۔

5۔ علم ہونے کے باوجود اس پر عمل نہ کرنا

یہودی بھی اپنی معلومات کے مطابق عمل نہیں کرتے اور یہی المیہ دشمنان اہلبیت کا بھی ہے۔ دونوں گروہ خود کو عالم سمجھتے بھی ہیں اور عام لوگوں پر اپنی علمیت کا جھوٹا رُعب بھی جھاڑتے رہتے ہیں۔ یہودیوں کے بارے میں قرآن کریم نے ارشاد فرمایا:

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا ۚ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥﴾ سورۃ الجمعۃ

"اور مثال ان لوگوں کی جن پر تورات کے قبول و ادا کی ذمہ داری ڈالی گئی پھر انہوں نے اس بار کو نہ اُٹھایا مثال اُس گدھے کی سی ہے جس نے بڑے مقدس صحیفوں کا بوجھ اُٹھایا ہوا ہو، بہت بُری مثال ہے اُس قوم کی جس نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا ہو اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا"۔ (تذکرہ)

صحاح ستہ ہی کی بات کر لیں تو یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اہل بیت سے دشمنی

کا نتیجہ دنیا و آخرت کی بربادی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بار بار اپنے اہل بیت سے محبت و مودت کا حکم دیا۔ ان سب باتوں کا علم ہونے کے باوجود حسین پاک علیہ السلام کی دشمنی سے یہ باز نہ آئے۔ قرآن مجید نے ایسے یہودیوں کو گدھے سے تعبیر کیا ہے جو محض کتابوں کا بوجھ اُٹھائے ہوئے ہیں۔ ناصبیوں کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ حضرت سلطان باہو علیہ الرحمہ نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا تھا:

جے دِین عِلم وِچ ہوندا
سِر نیزے کیوں چڑھدے ھُو
اٹھاراں ہزار جو عالَم آہا
اگّے حُسین دے مردے ھُو
جے کر بیعت رسولی ﷺ مندے
پانی کیوں بند کَردے ھُو
جے کجھ ملاحظہ سرور ﷺ دا کر دے
تاں تمبو خیمے کیوں سڑدے ھُو
پر صادق دین تنہاں دا باھو
جو سر قربانی کر دے ھُو

اسی طرح سے اور بھی کئی اور امور میں دشمنان اہلبیت کی مماثلت و مشابہت یہودیوں سے ہے مثلاً یہودیوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کو شہید کیا اور اہل بیت اطہار سے بغض و عداوت رکھنے والوں نے آل رسول کو ایسے شہید کیا کہ آئمہ اثنا عشریہ میں سبھی کو شہید کر دیا گیا۔ اُن سے محبت و وفا کے جرم کی پاداش میں بے شمار محبانِ اہلبیت کو شہید کیا گیا۔ دورِ جدید میں مبغضین اہلبیت کی چند نشانیاں ذیل میں بیان کی جارہی ہیں تاکہ اُن کی شناخت اور پہچان آسان ہوجائے اور ایسوں کے چنگل سے سادہ لوح اہل ایمان محفوظ رہ سکیں:

واقعہ کربلا کی ذمے داری یزید پہ عائد نہیں ہوتی اور یزید نے قتل حسین علیہ السلام کا حکم نہیں دیا۔

یزید کی بیعت درست تھی کہ بہت سے صحابہ کرام نے اس کی بیعت کی تھی۔

امام حسین پاک علیہ السلام نے کربلا میں تین شرائط پیش کی تھیں۔

سانحہ کربلا کوئی کفر و اسلام کی جنگ نہیں تھی یعنی حق و باطل کی بھی نہیں تھی۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کا یزید سے اختلاف فقط انتظامی امور کا تھا۔

امام حسین علیہ السلام کا یزید کے خلاف اقدام کوئی خروج نہ تھا بس آپ نظام حکومت میں بہتری لانا چاہتے تھے۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت میں اصل کردار کوفیوں کا تھا جنہوں نے آپ کے ساتھ دھوکہ کیا۔ اس میں یزید کا قصور نہ تھا

مروان کی بڑھ چڑھ کر تعریف اور دفاع کرتے نظر آئیں گے۔

یزید پر لعنت کا سُن کر انتہائی مضطرب اور بے چین ہوجاتے ہیں۔

حضرتِ علی کرم اللہ وجہہ الکریم، سیدہ کائنات اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم سے ان کی عقیدت بس واجبی سی ہوتی ہے جس کا اظہار وہ صرف فیس پروٹیکشن کے لیے کرتے ہیں۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ایام تو شان و شوکت سے منائے جاتے ہیں لیکن حضرت علی و دیگر اہل بیت کے ایام میں کما حقہ جوش و جذبہ نظر نہیں آتا حالانکہ قرآن کے مطابق فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والے اور بعد میں ایمان لانے والے صحابہ کرام کے درمیان درجات کا بہت بہت زیادہ فرق ہے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ کے فرمان و فتویٰ کے مطابق امام المشارق والمغارب حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے مراتب اور مناصب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اتنے بلند و بالا ہیں کہ ان کا کوئی شمار ہی نہیں ہے۔

اگر اہل بیت کے ایام میں انہیں ذکر اہل بیت کرنا پڑے تو دوران تقریر خاص انہماک سے ان کا تذکرہ کرنے کی بجائے درمیان میں بار بار موضوع کا رخ دوسری طرف موڑنے کی کوشش کریں گے۔

اگر کوئی شخص ادب، عقیدت اور محبت کے جملہ قرینوں کو پورا کرتے ہوئے ذکرِ اہلبیت کر رہا ہو تو انہیں اس میں رافضیت کی بُو محسوس ہونے لگ جاتی ہے اور یہ اسے مشکوک نظروں سے دیکھتے ہیں۔

یہ لوگ طرح طرح سے سادات کی شان کم کرنے کے بہانے ڈھونڈتے ہیں، اہل بیت کون کون ہیں؟ یہ ان کا خاص پسندیدہ موضوعِ تحقیق ہوتا ہے. ایسے ایسے حوالے ڈھونڈ کے لانا جن سے سادات کی شان میں کمی واقع ہو، ان کا من پسند مشغلہ ہوتا ہے۔

اہل بیت کی شان میں وارد اکثر روایات انہیں موضوع اور ضعیف نظر آتی ہیں۔ ان کے راویوں پر وہ طرح طرح سے جرح کرتے نظر آتے ہیں اور اگر مجبوراً کچھ روایات کو درست ماننا پڑ جائے تو پھر ان کے مفہوم میں اس طور پر ڈنڈی مارتے ہیں کہ اہل بیت کی زیادہ عظمت و شان ظاہر نہ ہو۔

اس طبقے کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اگر خدانخواستہ کوئی شخص اہل بیت کی بے ادبی کا ارتکاب کرلے تو یہ فوراً ہی اس کے اردگرد پروانوں کی طرح اکٹھے ہوجاتے ہیں، اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، اسے تحفظ فراہم کرتے ہیں، اس کی بات کی تاویلیں کرتے ہیں، اس کی طرف سے مناظرے کرتے ہیں، اسے نت نئے حوالہ جات ڈھونڈ کر دیتے ہیں.

یہ لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تو خطا سے پاک سمجھتے ہیں مگر اہل بیت کو محفوظ عن الخطاء ماننے کیلئے کسی طور تیار نہیں۔

بارگاہ الوہیت میں دُعا و استغاثہ و فریاد و التجا

اے مالکِ لم یزل ہم پر رحمت فرما اور ہمیں اپنے پاک محبوب ﷺ کی آل و عترت کی سچی و سچی وفا عطاء فرمایا اور ہمیں اور ہماری آل و اولاد اور احباب و رُفقاء کو اُن خوش نصیبوں میں سے کردے جن کے بارے میں تیرے سوہنے محبوب اور ہمارے آقا ﷺ نے درج ذیل بشارت دی ہے:

عن حذيفة بن اليمان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: مامن عبد صلى علي وعلى أهل بيتي إلا حشره الله تعالى معنا غدا يوم القيامة. معجم ابن عساکر

"حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو بندہ بھی مجھ پر اور میری آل پر درود بھیجتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس کا حشر ہمارے ساتھ فرمائے گا"۔

آمین بجاہ سید الانبیاء والمرسلین

عصمت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محمد بن علوی المالکی الحسینی

ارشادِ ربّ العالمین ہے:

لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک و ما تاخر

''تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے''۔

اس آیت مبارکہ کا ظاہری مفہوم نبی ﷺ سے گناہ صادر ہونے کے جواز کا فائدہ دیتا ہے اس بنیاد پر کہ مغفرت گناہ کے بعد ہوتی ہے۔

بعض علماء نے یہی معنی بیان کیے ہیں اور آپ کی ذات گرامی سے صغیرہ گناہوں کے صادر ہونے کا جواز ایسی آیات واحادیث سے ثابت کیا ہے جن کے ظاہر سے ان کے بیان کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً یہ آیات:

واستغر لذنبک وللمومنین والمومنت

''اور اے محبوب! اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو''۔

ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظھرک

''اور تم پر سے تمہارا وہ بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑی تھی''۔

عفا اللہ عنک لما اذنت لھم

''اللہ تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں اذن دے دیا''۔

لو لا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم

''اگر اللہ پہلے ایک بات نہ لکھ چکا ہوتا تو اے مسلمانو تم نے جو کافروں سے بدلے کا مال لے لیا اس میں تم پر بڑا عذاب آتا''۔

عبس و تولیٰ ان جاءہ الاعمیٰ

''تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا اس پر کہ اس کے پاس وہ نابینا حاضر ہوا''۔

اسی طرح آپ کی ایک دعا ہے:

''اے اللہ! میرے اگلے پچھلے اور پوشیدہ و ظاہر گناہ بخش دے''۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

''میں اللہ سے دن میں ستر سے زیادہ بار بخشش طلب کرتا ہوں اور ستر بار اس کے حضور میں توبہ کرتا ہوں''۔

اسی ضمن میں آپ کا ایک قول ہے:

''میرے دل پر ایک بادل سا چھا جاتا ہے تو میں اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں''۔

شیخ امام قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے آیت: ''**لیغفر لک اللہ**'' سے متعلق کئی جوابات دیے ہیں، ایک یہ کہ یہاں کی امت مراد ہے۔

دوسرا جواب یہ کہ یہاں وہ گناہ مراد ہیں جو سہواً غفلت سے یا تاویل سے ہوئے۔

تیسرا جواب یہ کہ یہاں مغفرت سے مراد آپ کا عیوب سے مبرّا ہونا ہے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ کہنے کا حکم دیا گیا کہ:

وما ادری مایفعل بی ولا بکم ان اتبع الا مایوحیٰ الی وما انا الا نذیر مبین

''اور میں نہیں جانتا میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا؟ میں تو اسی کا تابع ہوں جو مجھے وحی ہوتی ہے، اور میں نہیں مگر صاف ڈر سنانے والا''۔

یہ آیت کریمہ سن کر کفار بہت خوش ہوئے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وما تاخر

''تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے''۔

گویا آیت کا مفہوم یہ ہے کہ آپ مغفور ہیں اور اگر آپ کا کوئی گناہ نہ ہوتا تو تب بھی آپ سے مواخذہ نہ ہوتا۔

امام عارف باللہ عبدالعزیز دباغ علیہ الرحمۃ نے ''**لیغفر لک اللہ ماتقدم**'' سے متعلق نہایت نفیس جواب دیا جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

قول باری تعالیٰ ہے:

انا فتحنا لک فتحا مبینا

''بیشک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرمادی''۔

میں فتح سے مراد مشاہدۂ باری تعالیٰ ہے۔ رسول اللہ ﷺ پر اللہ کی جانب سے یہ خصوصیت رحمت ہے کہ اس نے آپ سے حجاب کو رفع کر دیا اور آپ کو اپنے مشاہدے سے بہرہ ور فرمایا، جس کے نتیجے میں آپ جو کچھ دیکھتے ہیں وہ صرف حق ہی حق ہے اور اسی کی طرف ''الفتح المبین'' کے الفاظ میں اشارہ کیا گیا اور یہ وہ مشاہدہ ہے جو آپ کو صغرسنی سے حاصل تھا کیوں کہ اللہ نے آپ سے حجاب اختیار نہیں فرمایا۔ یہی وہ فتح ہے جو ہر نبی بلکہ ہر عارف کے لیے بھی ثابت ہے مگر رسول اللہ ﷺ کو اپنی روحانی، عقلی، ذاتی اور سری لحاظ سے اس مشاہدہ میں خصوصی قوت عطا کی گئی تھی اور قول باری تعالیٰ ''ما تقدم من ذنبک وما تاخر'' میں ذنب سے مراد گناہ نہیں بلکہ گناہ کا سبب ہے اور یہ سبب اس غفلت اور حجاب کی ظلمت سے عبارت ہے جو اصلیت خاکی میں پنہاں ہے اور ''ما تقدم وما تاخر'' دراصل ظلمت حجاب کے زوال سے کنایہ ہے اور اسی طرح غفران اس کے ازالہ سے کنایہ ہے۔

بقیہ صفحہ 18 پر

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

آصف بلال آصف

غم والم کا زمانہ آ گیا ہے۔۔۔۔

آنکھیں رونا چاہتی ہیں۔۔۔۔

دل تڑپنے کو آمادہ ہے۔۔۔۔

آنسو پلک و رخسار پر بہنے کیلئے ساز و سامان درست کر رہے ہیں۔۔۔۔

کچھ اسلامی یادیں اپنے اندر خون آشام وارداتوں کو سمیٹے ذہن و دل کے میدان میں نوحہ کناں ہونے کو تیار ہیں۔۔۔۔

محرم الحرام کا چاند دکھائی دیتے ہی ایشیاء کے اکثر ملکوں میں شہادت امام حسینؓ یاد تازہ ہو جاتی ہے۔۔۔۔مسلمانوں کے سب فرقے اپنے اپنے دستور کے مطابق اور موافق اس غمگین یاد میں حصہ لیتے ہیں۔۔۔۔کوئی مرثیہ خوانی کرتا ہے۔۔۔۔کوئی ذکر شہادت کی مجلسیں سجاتا ہے۔۔۔۔کوئی تلاوت قرآن پاک کے تحفے نذرِ حسین کرتا ہے۔۔۔۔کوئی منقبتوں کے آلاپ میں دردِ دل کو پرسہ دیتا ہے۔۔۔۔کوئی اپنے عالم خیال میں حضرت امام حسینؓ کی تکالیف کا دھیان کر کے آنسو بہاتا ہے۔

ایک وجود کی فنا میں دوسرے وجود کی بقا ہی فلسفہ شہادت ہے۔

تاریخ اسلام کا ہر باب ہی انتہائی خون آشام اور الم انگیز واقعات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے لیکن ان میں وہ باب بڑا ہی خونیں قبا اور شفق رنگ ہے جس میں معرکہ کربلا کی داستانِ عشق بیان کی گئی ہے۔۔۔۔جس کو لکھتے ہوئے قلم کا سینہ شق ہو جاتا ہے۔۔۔۔دل کپکپا اُٹھتا ہے۔۔۔۔روح تھرتھرا جاتی ہے اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔۔۔۔

بلاشبہ حضرت امام حسینؓ ہی وہ عظیم المرتبت شخصیت ہیں جن کا آشورہ اس آئینے کی مانند ہے۔۔۔۔جس میں حقیقی عزت، آزادی، شرف، واقعیت، بلند انسانی اقدار اور اللہ کی راہ کا عکس دکھائی دیتا ہے۔۔۔۔

جبکہ ان کی کربلا۔۔۔۔

کرامت، بیداری، لیاقت، ایمان اور اصالت کا مرکز و محور نظر آتی ہے۔

حضرت امام حسینؓ نے اپنے کردار کے ذریعے مسلمانوں کو یہ درس دیا ہے کہ اگر تم واقعی دیندار ہو اور تمہارا اللہ اور دین اسلام پر مکمل عقیدہ و ایمان ہے تو پھر تم پر لازم ہے کہ تم اللہ اور اس کے دین کے مطابق مشرکین کے مقابلے کیلئے اٹھ کھڑے ہو اور ناموسِ الٰہی کی حفاظت کیلئے ذلت و رسوائی کی زندگی قبول کرنے سے انکار کر دو۔۔۔۔اسلام کی حفاظت اور حضرت امام حسینؓ کی پیروی کا جذبہ ہی ہے جو خداکاری سے سرشار ہوتا ہے اور اس کی کوئی حد نہیں ہوتی ہے۔۔۔۔یہی وہ جذبہ ہے جو جان و مال، بیوی بچوں اور اپنے تمام گھر بار تک قربان کر سکتا ہے۔۔۔۔حضرت امام حسینؓ کو نہ تو ملک گیری کی ہوس تھی نہ وہ ذاتی اقتدار چاہتے تھے۔۔۔۔آپؓ کا مقصدِ شہادت دراصل اسلام کی آئینی عظمت کا نہ مٹنے والا نقش قائم کرنا تھا۔۔۔۔

ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا تھا جس میں طاقت اور اقتدار کو حق نہ سمجھا جائے۔۔۔۔بلکہ حق کو حق سمجھے اور اس پر عمل کرنے کی ضرورت محسوس کی جائے اور انسانی ہمدردی، رواداری، امن پسندی، صبر، شجاعت، ایثار، قربانی اور دشوار منزلوں کے سامنے آنے پر پائے ثبات میں لغزش نہ آئے۔۔۔۔

تاریخ اسلام میں بے شمار شہادتیں ہوئی ہیں اور ہر شہادت اپنی جگہ پر ایک نمایاں اہمیت، انفرادی قدر و منزلت اور بہترین مقام کی حامل ہے۔ ہر شہادت میں اسلام کی بقا اور دوام شامل ہے۔ ان شہادتوں میں دین اسلام کا دوام اور سنت مبارکہ کی حیاتِ ابدی کا راز پوشیدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ اسلام میں ہر شہادت اپنی جگہ اہم شمار کی جاتی ہے۔ لیکن شہادت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا واقعہ کئی اعتبار سے بلکہ ہر اعتبار سے دیگر تمام شہادتوں سے مختلف و منفرد حیثیت اور عظمت کا حامل ہے۔

اس کی انفرادیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ خانوادہ رسول ﷺ کے چشم و چراغ تھے اور ایسے چشم و چراغ کہ جنہوں نے براہ راست حضور اکرم ﷺ کی مبارک گود میں پرورش پائی تھی۔۔۔۔آپ ﷺ کے مبارک و اطہر کندھوں پر سواری کی تھی۔۔۔۔آپ ﷺ کے پاکیزہ لعابِ دہن کو اپنی غذا بنایا تھا۔۔۔۔حضرت امام حسین کو نبی کریم ﷺ کا بیٹا ہونے کا شرف حاصل تھا۔۔۔۔پھر بھی آپ نے غربت، پردیس اور مظلومیت کی حالت میں یزیدیوں کے ہاتھوں شہادت پائی۔۔۔۔اس لئے آپ کی شہادت کا درجہ باقی شہادتوں سے بہت اعلیٰ و برتر ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت عظمیٰ کی ایک منفرد خوبی یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کی تفصیلات بہت پہلے بتا دی تھیں۔ یہاں تک کہ جزیات تک سے خواص اہل بیت واقف ہو گئے تھے۔۔۔۔اور انہیں بخوبی پتہ چل چکا تھا کہ مستقبل میں کیا ہونے والا ہے۔۔۔۔ان حیرت انگیز قبل از وقت تفصیلات کو معجزانہ پیشن گوئی کے سوا کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ میدانِ صفین کی طرف جاتے ہوئے راستے میں حضرت علی شیرِ خدا نے کربلا کے ان مقامات کی نشان دہی کر دی تھی جہاں ان حضرات کو شہید ہونا تھا۔۔۔۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت امام حسینؓ کو شہید کرنے کا ارادہ یزید ملعون کا نہیں تھا وہ حق پر نہیں ہیں اور مسخ شدہ ناقابل قبول اموی تاریخ بیان کرتے ہیں۔۔۔۔حضرت علیؓ سے لڑنے والوں اور حضرت امام حسینؓ کو شہید کرنے والوں کا شجرہ نسب دیکھو یہ کن کی اولاد ہیں اور ان کے بڑے کس

کس جنگ میں مولا علی رضی اللہ عنہ کی تلوار سے قتل ہوئے تھے۔۔۔۔ یہ بالکل واضح ہو جائے گا کہ واقعہ کربلا بعد کی بات نہیں ہے یا صرف حکومتی رٹ قائم کرنے کا مسئلہ نہیں تھا بلکہ دیرینہ دشمنی تھی۔۔۔۔ دونوں فریق سات پشتوں سے مدمقابل تھے۔ صرف غزوہ بدر کو ہی دیکھ لیا جائے تو 70 میں سے 24 کافر مولا علی نے قتل کیے تھے۔۔۔۔ امیر معاویہ کا بھائی حنظلہ، امیر معاویہ کا نانا عتبہ اور ہندہ کا باپ، مولا علی علیہ اسلام کی تلوار سے بدر میں قتل ہوئے تھے۔۔۔۔ عقبہ بن ابی معیط جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اوجڑی ڈالی تھی وہ بھی مولا علی کے ہاتھوں قتل ہوا۔۔۔۔ ان لوگوں کے بڑے بڑے مولا علی کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے اسی لیے تو میدان کربلا میں بنوامیہ کا ظلم اولاد علی رضی اللہ عنہ سے انتقام تھا۔۔۔۔ سراسر بدنیتی تھی۔۔۔۔ ذہنی پسماندگی اور کدورت کا سبب تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آئندہ رونما ہونے والے واقعات کی پیشگی خبر دے دی تھی۔۔۔۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما گئے تھے کہ۔۔۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرنے والوں سے اللہ محبت رکھے اور ان سے بغض رکھنے والوں سے اللہ بغض رکھے۔۔۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت ایمان کی اور بغض نفاق کی نشانی ہے۔۔۔۔

عزم کی پختگی۔۔۔۔ ارادے کی مضبوطی۔۔۔۔ حق وصداقت پر قیام۔۔۔۔ منافقت سے اعتراض اپنے مئوقف پر استقلال۔۔۔۔ ایثار و قربانی۔۔۔ نوازش ومہربانی۔۔۔۔ سخاوت ومہمان نوازی۔۔۔ صبر وقناعت اور مصائب وآلام کی برداشت۔۔۔۔ ان گنت استعارے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا نام زبان پر آتے ہی ذہن میں گردش کرنے لگ جاتے ہیں۔۔۔

حضرت امام حسین کا یہ اعلان تاریخ اسلام میں کتنی اہمیت رکھتا ہے۔

"اگر حکومت قرآن وسنت پر قائم نہ ہو تو ظالموں اور جابروں کے ساتھ تعاون کرنا نہ صرف گناہ ہے بلکہ جو شخص دیکھے اور خاموش رہے اس کا شمار بھی ظالموں میں کیا جائے اور اس طرح کی ذلت کی زندگی سے موت بہتر ہے۔"

اگر نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم روز عاشورہ اپنے خاندان، رفقاء اور عزیزوں کی قربانی پیش نہ کرتے تو نوع انسان یہ کہنے میں حق بجانب ہوتے کہ حق باطل کے سامنے جھک گیا ہے۔ لیکن امام حسین رضی اللہ عنہ نے میدان کربلا میں جو عظیم قربانی پیش کی ہے اس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ باطل ہمیشہ مٹنے والا ہے خواہ اس کے پیچھے کتنی ہی بڑی قوت کارفرما کیوں نہ ہو۔۔۔۔

لہٰذا ہم شہداء کربلا کی روحوں کو خراج عقیدت اس طرح پیش کر سکتے ہیں کہ باطل کی قوتوں کے ساتھ جہاد کریں اور اس مشن کو پورا کریں جس کا آغاز آج سے چودہ سو سال پہلے میدانِ کربلا میں ہوا تھا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اقوال زریں

☆ ذلیل وہی ہے جو بخیل ہے۔

☆ سردار بننا چاہتے ہو تو حرکت وعمل، جدوجہد کو اپنا معمول بناؤ۔

☆ دنیا کا رنگ بدل گیا ہے وہ نیکی سے محروم ہو گئی ہے۔ کوئی نہیں جو ظالم کو ظلم سے روکے۔ وقت آ گیا ہے کہ مومن سچائی کی راہ میں بے فکر ہو کر نکل پڑے اور اپنا سب کچھ اللہ کے لیے قربان کر دے۔

☆ اس چیز کے درپہ نہ ہو جس کو تم سمجھ نہیں سکتے یا پا نہیں سکتے۔

☆ اعلیٰ درجے کا معاف کرنے والا وہ ہے جو انتقام پر قدرت رکھتے ہوئے عفو ودرگزر سے کام لے۔

☆ دولت کا بہترین مصرف یہ ہے کہ اس سے غیرت وآبرو برقرار رہے۔

☆ جسم موت کے لیے ہے تو اللہ کی راہ میں شہید ہونا سب سے بہتر ہے۔

☆ کسی چیز کی شدت سے خواہش محض بری بات نہیں مہلک بھی ہے۔

☆ مروت یہ ہے کہ جب وعدہ کرلے تو پورا کرے۔

☆ ظالموں کے ساتھ رہنا بذاتِ خود ایک جرم ہے۔

☆ تقویٰ اور نیکی آخرت کے لیے بہترین زادراہ ہے۔

☆ اگر دنیا میں انقلاب لانا چاہتے ہو تو تہذیب نفس کا آغاز خود سے کرو دنیا خود بخود بدل جائے گی۔

☆ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں جس قدر ممکن ہو دوسروں کے کام آؤ۔

☆ اگر لوگ تم سے امیدیں وابستہ رکھتے ہیں تو یہ تم پر خدا کے فضل کی دلیل ہے۔

☆ جو تمہیں دوست رکھتا ہے وہ برائی سے روکے گا اور جو تمہیں دشمن رکھے گا وہ تمہیں برائی پر اُبھارے گا۔

بقیہ عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

الغرض اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے: "انا فتحنا لک فتحا مبینا" تاکہ آپ سے حجاب کلیتاً رفع ہو جائے اور آپ پر ہماری نعمت مکمل ہو جائے اور آپ ہدایت ونصرت حاصل کر لیں کیوں کہ کوئی نعمت حجاب کے رفع ہونے اور کوئی ہدایت معارف کی طرف راستہ پانے اور کوئی نصرت اس طرح کی کیفیت پانے والے کی نصرت سے بڑھ کر نہیں۔

میری نظر میں اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کا حکم دینا اور آپ کا اللہ کے حضور ہر وقت بخشش طلب کرنا آپ کے کمالِ تواضع ہے اور اس کے ساتھ یہ کامل بندگی کے اقرار، اللہ سے حاجت مندی، فضل خداوندی سے مستغنی نہ ہونے اور اللہ کی عطا کردہ نعمتوں پر گھمنڈ نہ کرنے کا درجۂ کمال ہے اور یوں لگتا ہے جیسے وہ بزبان حال یہ کہہ رہے ہوں کہ میں اللہ کی بارگاہ سے نعمتوں، درجات بلند اور اعلیٰ مقامات پانے کے باوجود مسلسل اس کے حضور فضل طلب کرتے رہنے میں مشغول رہوں گا۔ اس کی وسعتوں کی طرف بڑھوں گا۔ اس کے دروازوں پر کھڑا رہوں گا، بھلائی کے کاموں میں لگا رہوں گا اور اس کی فیاضیوں کی طرف سبقت کروں گا، جیسا کہ آپ نے فرمایا میں تم میں سب سے بڑھ کر اللہ سے ڈرنے والا، متقی اور عالم ہوں اور اس سے آپ کی مراد یہ بھی ہے کہ امت کو تعلیم دیں تاکہ وہ ان کی اقتدا واتباع کریں اور اس سے ان کی مراد دائمی عمل کے ذریعے اللہ کا پوری طرح شکر ادا کرنا بھی ہے اور کیوں نہ ہو کہ آپ نے فرمایا کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

امام شاذلی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: کہ میں جب آپ کی یہ حدیث "میرے دل پر ایک بادل سا چھا جاتا ہے تو میں دن میں ستر بار استغفار کرتا ہوں"، سنی تو مجھ پر اس کا مفہوم سمجھنے میں اشکال پیدا ہوا، خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوا، آپ نے مجھ سے فرمایا:

"اے برکت والے: وہ بادل انوار کا ہے
کسی اور چیز کا نہیں"۔

معرکۂ کربلا

جس سے امت مسلمہ کو حیات نو حاصل ہوئی

محمد امین شرقپوری

وہ کیا چیز ہے جس نے کربلا کے واقعہ کو ابدی تازگی دی ہے اور کونسی طاقت ہے جو اس واقعہ سے وابستہ ہو کر تمام مظلوم حق پرستوں اور کچلے ہوئے کمزور انسانوں کے ٹوٹے ہوئے دلوں کو سہارا بھی دیتی ہے اور زندگی کے کٹھن راستے میں قدم بڑھانے، عدل و انصاف کی آواز بلند کرنے، ظلم کے آگے سر نہ جھکانے اور حق کے نام پر گردنیں کٹا دینے کی جرأت بھی پیدا کرتی ہے، حوصلہ اور ولولہ بھی۔

یہ دنیا جو خوف فراموش بھی ہے اور فراموش کر دینا جس کی عادت بھی ہے، واقعۂ کربلا کو بھی ظلم کے دوسرے واقعات کی طرح بھول جاتی اور گردن حسین رضی اللہ عنہ کے خون ناحق کا رنگ بھی نقش و نگارِ طاق نسیاں بنانے کے کام آ جاتا لیکن عجیب ماجرا ہے کہ سبط اصغر رضی اللہ عنہ کے لہو کا وہ تاثر آج بھی اسی شدت کے ساتھ باقی ہے، جس شدت کے ساتھ وہ 10 محرم الحرام 61ھ کو کربلا کے تپتے ہوئے ریگستان میں ابھرا تھا۔

حق و باطل کے معرکے ابتدائے آفرینش سے ہوتے رہے، ہابیل و قابیل کا معرکہ، ابراہیم و نمرود کا معرکہ موسیٰ اور فرعون کا معرکہ، لیکن معرکۂ کربلا ان تمام معرکوں سے ان معنوں میں ایک علیحدہ نوعیت اور جداگانہ حیثیت رکھتا ہے کہ جس طرح قرآن مجید، خدا کی آخری کتاب ہے اور شریعت محمدی آخری شریعت ہے، اسی طرح حق کے راستہ میں پیغمبر آخر الزماں علیہ السلام کے نواسے امام عالی مقام، امام حسین علیہ السلام کی قربانی بھی اپنی نوعیت کی انوکھی و نرالی اور آخری قربانی ہے جس نے نہ صرف یہ کہ حق اور باطل کو باطل کر دیا بلکہ ظلم کے ان سرکش جذبات کا سر کچل دیا جو حیوانیت کو طاقت دیتے ہیں۔ انسان کو انسان کا گوشت نوچ کر پیٹ بھرنے کا عادی بناتے ہیں اور انسان کے گلے کا لہو پی کر پیاس بجھانے کی دعوت دیتے ہیں۔

امام عالی مقام حسین علیہ السلام کی گردن کٹ گئی۔ حضرت امام کے بچوں کا لہو بہہ گیا، خیمے جل گئے، بیویاں اور بہنیں اسیر و قید کر لی گئیں، لیکن امام کی آواز سے ظالمانہ اقتدار کے ایوان لرز اٹھے، زندانوں کی دیواریں بیٹھ گئیں، ظلم کے خنجر مڑ گئے، تشدد کی زنجیریں ٹوٹ گئیں اور حضرت امام کی ایک ٹھوکر نے خاندانی بادشاہت کے تخت کو یوں الٹ دیا کہ دنیا والوں کو شہنشاہیت کے نام سے گھن آنے لگی اور آمریت سے ہمیشہ کے لیے نفرت ہو گئی۔ آج دنیا سب کچھ برداشت کر سکتی ہے۔ آج انسان سب کچھ گوارہ کر سکتا ہے۔ لیکن شہنشاہیت گوارہ نہیں کی جا سکتی اور یہ وہ ابدی فتح ہے جو حضرت امام نے ساری دنیا کے لیے حاصل کی ہے اور کربلا کی قربانی کا یہی وہ عظیم الشان نتیجہ ہے جس نے ایک طرف تو اسلام کو ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا اور دوسری طرف کربلا کے معرکہ کو حق و باطل کے تمام معرکوں پر فضیلت دے کر سرمدی زندگی اور ابدی تازگی دے دی۔

کربلا کی لڑائی قلیل التعداد حق پرستوں کی ایک روزہ جنگ ہے جو صبح سے شروع ہوئی اور شام سے پہلے ختم ہو گئی لیکن یہ لڑائی جن اصولوں پر لڑی گئی اور جن ہتھیاروں سے لڑی گئی۔ وہ زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہیں اور انسانیت کامل کی منزل کی طرف انسان کی رہنمائی و رہبری کرتے ہیں۔ یہ اصول کیا تھے؟ اور وہ کون سے ہتھیار تھے جن سے حضرت امام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی مسلح تھے۔

حضرت امام رضی اللہ عنہ کے اصول، اسلام کے اصول تھے۔ جو قرآن نے بتائے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے جن کی تبلیغ کی تھی۔ یہ اصول برابری و برادری کی بنیاد پر دنیا بھر کے انسانوں کے لیے معاشرہ کا وہ خاکہ پیش کرتے ہیں جو انسان کو اتنا معزز اور باعظمت بناتا ہے کہ عالم کی ایک ایک مخلوق اس کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ حضرت امام ان سولوں پر جم گئے، انہوں نے اپنے عمل اور اپنی قربانی کی معرفت ساری دنیا کو یہ پیغام دیا ہے:

''حق کے راستہ پر گامزن رہو، چاہے تم اقلیت میں ہو، چاہے تمہاری تعداد کتنی ہی کم کیوں نہ ہو اگر تم حق پر ہو تو فتح تمہاری ہی ہے اور شکست تمہارے مقابل ہی کو ہوگی چاہے اس کی تعداد اور قوت ہی زیادہ کیوں نہ ہو اور خواہ وہ اپنی تعداد اور قوت کی وجہ سے تم پر غالب بھی آ جائے لیکن اس کے غلبہ سے مت ڈرو کیونکہ تم مر کر زندہ رہو گے اور تمہارا مقابل زندہ رہ کر مر جائے گا''۔

حضرت امام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''دفاع کا حق، انسان کا فطری اور بنیادی حق ہے۔ اگر حق پرست انسان کمزور بھی ہوں تب بھی مدافعت کے بنیادی اور فطری حق سے دستبردار نہ ہونا چاہیے۔ موت اگر مقدر بن جائے، تب بھی ہاتھ سے تلوار کا وہ قبضہ نہ چھوٹنے پائے، جو بہادر مرد کی عزت اور شان ہے، افراد کی قلت اور سامان سے تہی مائیگی کے معنی یہ نہیں ہیں کہ انسان بزدلی کے ساتھ طاقتور باطل کی قوت سے خوفزدہ ہو کر اس کی تلوار کے سامنے سر جھکا دے۔ انسان کو اپنی مدافعت کرنی چاہیے۔ جب تک وہ زندہ ہے، چاہے اس کے سب ساتھی مر چکے ہوں اور وہ میدان کارزار میں تنہا اور اکیلا ہو لیکن اپنی مدافعت کے حق کو اس وقت تک استعمال کرتا رہے جب تک اس کا بازو اور کلائی حرکت کر سکتی ہے''۔

حضرت امام نے فرمایا: ''ظلم کے آگے سر نہ جھکاؤ

اور ناانصافی پر خاموش نہ رہو، اقتدار کے جبر نے جو کچھ جمع کیا ہے بکھر جائے گا، طمع نے جو کچھ اکٹھا کیا ہے منتشر ہوجائے گا کیونکہ ہر ظلم کے انجام میں حق کے لیے فلاح وکامیابی کی نوید ہوتی ہے اور باطل کے لیے شدید ترین ناکامی، محرومی کی وعید ہوتی ہے''۔

حضرت امام رضی اللہ عنہ نے زندگی کے ہر شعبے کا گہرا مطالعہ کیا تھا، ان کی پرورش اس کی آغوش میں ہوئی تھی جو کائنات کی تخلیق کا سبب اور باعث تھا۔ اس لیے ان کی نظر دنیا کی تعمیر کے ذرّے ذرّے پر تھی اور ان کا عمل انسان کی فطرت، آرزو اور خواہش کے عین مطابق تھا۔

حضرت امام اور ان کے ساتھی جارحانہ ارادہ رکھنے والی زبردست فوج کے سامنے مسلح بھی تھے، لیکن ان کے ہتھیاروں کی قسم عام فولادی ہتھیاروں کی قسم سے الگ اور مختلف تھی، ان کے سروں پر شکر کا خود تھا، ان کے ہاتھوں میں صبر کی تلوار تھی، ان کے جسموں میں توکل کی زرہیں تھیں، ان کے پاؤں میں ثبات واستقلال کے موزے تھے۔ ان کے سینوں پر ایمان کی آئینہ بندی تھی، ان کے ترکش میں صداقت کے تیر اور ان کے دوش پر شرافت کی کمانیں تھیں اور وہ ان ہتھیاروں کے ساتھ عمر بن سعد اور ابن زیاد کی ان فوجوں کا مقابلہ کر رہے تھے جن کی کم سے کم تعداد بھی مؤرخ کے نزدیک دس ہزار سے زیادہ تھی۔

دیکھنا یہ ہے کہ حضرت امام رضی اللہ عنہ کے یہ ہتھیار مادی ہتھیاروں سے کس شدت کے ساتھ ٹکرائے اور اس ٹکراؤ کا جو فوری اثر ہوا وہ کیا ہے؟ بے شک حضرت امام اور ان کے ساتھی شہید کر دیے گئے لیکن حضرت امام کی پہلی ظاہری کامیابی اس وقت نظر آئی جب حر بن ریاحی نے ابن زیاد کے لشکر کو چھوڑ کر حضرت امام کے پرچم کے نیچے جان دی، چشم بینا نے اسی وقت لڑائی کا انجام دیکھ لیا تھا لیکن لڑائی جاری رہی اور اب وہ وقت آیا جب حضرت امام شہید ہو گئے۔ ابن زیاد کی فوجوں میں خوشی کے باجے بج رہے تھے لیکن اس شور میں ایک شخص چیخ رہا تھا کہ ''ہائے یہ کیا غضب ہوا؟ لوگوں نے اس کے رونے اور چیخنے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا: ''میں اپنے خیمہ میں سو رہا تھا کہ میں نے خواب میں رسول کریم ﷺ کو دیکھا، روئے مبارک جمال سے دمک رہا تھا، آپ ﷺ کے سامنے خون سے بھرے ہوئے دو طشت رکھے تھے، آپ ﷺ نے مجھے اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا، میں لرز گیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے تو آپ ﷺ کے نواسے کو قتل نہیں کیا؟ میں تو بخاری ہوں، فوج میں خیموں کی چوبیں بناتا ہوں! لیکن آپ ﷺ نے نگاہ قہر وغضب سے مجھے دیکھتے ہوئے فرمایا: ''تم نے میرے لال کو قتل تو نہیں کیا؟ لیکن اس پر اژدھام تو کیا'' اور یہ کہہ کر آپ ﷺ نے ایک خون بھرے طشت میں سے ایک سلائی ڈبو کر میری آنکھوں میں پھیرا اور اب جب کہ میری آنکھ کھلی ہے تو آنکھوں کا نور جا چکا ہے لیکن آنکھوں کا نور جاتے ہی میرے دل پر پڑے ہوئے تاریک پردے ہٹ گئے اور اب مجھے دکھائی دینے لگا ہے کہ ابن زیاد اور اس کی فوجوں نے وہ ظلم کیا ہے جس پر زمین تھرا رہی ہے، آسمان رو رہا ہے اور یہ دوسری آواز تھی جو فوراً بلند ہوئی۔

تیسری آواز رسول کریم ﷺ کے مشہور صحابی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے ابن زیاد کے اس دربار میں بلند کی جس کے در و دیوار سے ظلم کی بارش ہو رہی تھی، حمید بن مسلم جو خولی بن یزید کے ہمراہ حضرت امام رضی اللہ عنہ کے سر اقدس کو کربلا سے کوفہ لایا تھا، روایت کرتا ہے کہ جب حضرت امام کا سر اقدس ابن زیاد کے روبرو رکھا گیا تو اس کے ہاتھ میں چھڑی تھی۔ جسے وہ سیدنا حضرت امام حسین علیہ السلام کے لب مبارک پر مارنے لگا۔ جب اس نے بار بار یہی حرکت کی تو حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ چلا اٹھے: ''ان لبوں سے اپنی چھڑی ہٹا لے، خدا کی قسم میں نے اپنی ان دونوں آنکھوں سے دیکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ہونٹ ان ہونٹوں پر رکھتے تھے اور ان کا بوسہ لیتے تھے۔۔۔'' یہ کہہ کر وہ زار و قطار رونے لگے۔

ابن زیاد کو غصہ آ گیا، اس نے کہا'' خدا تیری آنکھوں کو یونہی رلائے۔ واللہ اگر تو بوڑھا ہو کر سٹھیا نہ گیا ہوتا تو میں ابھی تیری گردن مار دیتا'' لیکن حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے دربار سے چلے گئے: ''اے عرب! آج کے بعد سے تم غلام ہو، تم نے ابن فاطمہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا، ابن مرجانہ کو حاکم بنایا، وہ تمہارے نیک انسان قتل کرتا ہے تم نے ذلت پسند کر لی۔ خدا انہیں مارے جو ذلت قبول کرتے ہیں اور یہ کہ آواز حضرت امام کی اس آواز سے مل گئی۔ ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔

یہ حضرت امام کی ایک اور فتح تھی جو انہیں عین اس وقت حاصل ہوئی جب ابن زیاد کا دربار حاضرین سے لبریز تھا۔

حضرت امام رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حقو صداقت کے جن کی تکمیل کا کام ان کے فرزند سیدنا حضرت امام زین العابدین اور ان کی ہمشیرہ جناب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھ میں لیا، وہ صبر وشکر، تحمل برداشت، ثبات و استقلال عزت نفس اور خودداری کے انہیں ہتھیاروں سے مسلح تھے جو حضرت امام نے میدان کارزار میں آزمائے تھے۔

چنانچہ جناب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ابن زیاد کے دربار میں رسیوں سے جکڑی ہوئی پہنچیں تو وہ شماتت کی راہ سے چلایا۔ ''اس خدا کی ستائش جس نے تم لوگوں کو رسوا اور ہلاک کیا اور تمہارے نام کو بٹہ لگایا''۔

یہ وہ دل شکن منزل تھی جہاں دنیا کی کوئی بھی بہادر سے بہادر عورت نہ بول سکتی تھی، نہ جواب دے سکتی تھی لیکن یہ حضرت امام کی ہمشیرہ جناب سیدہ تھیں جنہوں نے ہاشمی فصاحت کے ساتھ ابن زیاد کو للکارتے ہوئے جواب دیا:

''ہزار ستائش اس خدا کے لیے جس نے ہمیں محمد رسول اللہ ﷺ سے عزت بخشی اور ہمیں پاک کیا، نہ کہ جیسا کہ تو کہتا ہے، رسوا وہ ہوتے ہیں جو فاسق ہوں اور نام کو ان کے بٹہ لگتا ہے جو فاجر ہوں''۔

ابن زیاد غضبناک ہو گیا، وہ سیدنا امام زین العابدین سجاد رضی اللہ عنہ کی طرف مخاطب ہوا آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے قتل کا حکم سن کر اسی جرأت اور شجاعت کے ساتھ جواب دیا جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے فرزند کی شان کے مطابق تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ابن زیاد! تو اب بھی ہمیں موت سے ڈراتا ہے، حالانکہ تو خوب جانتا ہے کہ ہم حق کے راستے میں موت سے نہیں ڈرتے''۔

ان انقلابی آوازوں نے کوفہ کے در و دیوار کو ہلا دیا، سارا کوفہ بیدار ہو گیا، کوفہ کے ہر دروازے پر انقلاب دستک دینے لگا اور جب ابن زیاد نے جامع مسجد میں شہر والوں کو جمع کیا اور خطبہ دیتے ہوئے اس

نے کہا ''اس خدا کی تعریف جس نے حق کو ظاہر کیا، حق والوں کو فتح یاب کیا، امیر المومنین یزید بن معاویہ اور ان کی جماعت غالب ہوئی اور کذاب ابن کذاب حسین بن علی اور اس کے ساتھیوں کو ہلاک کر ڈالا۔۔''

تو مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ الکریم کے مشہور نابینا رفیق حضرت عبد اللہ بن عفیف ازدی رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہو گئے اور چلائے۔۔۔: ''خدا کی قسم ابن مرجانہ! کذاب ابن کذاب تو تُو ہے نہ کہ حسین بن علی رضی اللہ عنہ''۔۔ابن زیاد نے یہ سن کر انہیں قتل کر ڈالا لیکن حضرت عبد اللہ بن عفیف ازدی قتل کے ہوتے ہی کوفہ میں آگ لگ گئی، تین دن شہر میں تلوار چلتی رہی، ظالمانہ اقتدار کے خلاف چنگاریاں بھڑکتی رہیں۔

ابن زیاد نے جن لوگوں کو حضرت امام کی دوستی کے شبہ میں قید کر رکھا تھا ان میں سلیمان بن صرو حزاعی بھی شامل تھے، ان قیدیوں کو جب شہادت امام رضی اللہ عنہ کی خبر ملی تو وہ زنداں کے نگراں کا تعاون حاصل کر کے اپنے گردہ کے ساتھ جسے مؤرخین ''توابین'' کی جماعت کے نام سے یاد کرتے ہیں۔زنداں سے باہر نکل آئے، اس گروہ کے افراد نے قسم کھائی تھی کہ وہ خون امام کا انتقام لیں گے اور اپنے سر کے لہو میں نہا کر توبہ کریں گے چنانچہ ان لوگوں نے کوفہ کے زنداں سے نکل کر ابن زیاد کے اقتدار کے خلاف ہتھیار اٹھائے لیکن سرکاری فوج نے اس گروہ کو تہس نہس کر دیا اور ایک ایک آدمی قتل ہو گیا لیکن خون امام کے انتقام کی آواز فضا میں گونجنے لگی۔

اسلام زندہ کرنے اور مسلمانوں کو خواب غفلت سے چونکانے کی لیے حضرت امام رضی اللہ عنہ نے اپنا خون بہایا تھا اور یہ آپ ﷺ کے مقصد کی وہ عظیم الشان فتح تھی کہ خود یزید کے گھر میں اس کی بیوی ہند بنت عبد اللہ غم سے بے تاب ہو گئیں اور جب انہیں دربار یزید میں سر حسین رضی اللہ عنہ کے آنے کی خبر ملی تو وہ منہ پر نقاب ڈالے آئی اور اس نے پوچھا:

''کیا حسین بن فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کا سر آ رہا ہے؟''

یزید نے کہا ''ہاں، تم خوب روؤ، ماتم کرو، رسول اللہ ﷺ کے نواسے اور قریش کے اصیل پر ماتم کرو، ابن زیاد نے بہت جلدی کی، قتل کر ڈالا، خدا اسے بھی قتل کر دے''۔

یہی نہیں بلکہ خود یزید کے دل میں حضرت امام رضی اللہ عنہ کی شہادت وصداقت نے شگاف ڈال دیا اور وہ بار بار کہتا تھا ''خدا کی لعنت ابن مرجانہ پر جس نے حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کر ڈالا''۔ یہ حضرت امام رضی اللہ عنہ کے ان ہتھیاروں کی فتح تھی جو کربلا کی تجربہ گاہ میں آزمائے اور پرکھے گئے۔

حضرت امام حسین ظالمانہ اقتدار کے خلاف جس اسلامی جرأت کو جگانا چاہتے تھے وہ جرأت جاگ رہی تھی اور جناب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اس جرأت کا عملی نمونہ بن کر یزید کی دلخراش باتوں کا بے باکانہ جواب دے رہی تھیں۔

چنانچہ روایت ہے کہ ایک شامی نے جب دربار میں یزید سے حضرت سکینہ بنت الحسین رضی اللہ عنہا کو اپنی کنیزی میں طلب کیا تو وہ سہم کر جناب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے لپٹ گئیں۔آپ رضی اللہ عنہا نے شامی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

''تو کمینہ ہے، نہ تجھے اس کا اختیار ہے، نہ یزید کو اس کا حق ہے''۔

جناب سیدہ زینب رضی اللہ عنہ کی اس جرات پر یزید کو غصہ آ گیا، اس نے کہا واللہ! مجھے یہ حق حاصل ہے اگر چاہوں تو ابھی کر سکتا ہوں۔

حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے کہا: ''ہرگز نہیں، خدا نے تجھے یہ حق ہرگز نہیں دیا ہے یہ اور بات ہے کہ تو ہماری ملت سے نکل جائے اور ہمارا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لے''۔

یزید اور بھی زیادہ خفا ہو گیا، کہنے لگا ''دین سے تیرا باپ اور تیرا بھائی نکل چکا ہے''۔

جناب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے بلا تامل جواب دیا: ''اللہ کے دین سے، میرے باپ کے دین سے، میرے بھائی کے دین سے، میرے نانا کے دین سے تُو نے، تیرے باپ نے، تیرے دادا نے فلاح پائی ہے''۔

یزید چلایا

''اے دشمن خدا! تو جھوٹی ہے''۔

جناب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ''تو زبردستی حاکم بن بیٹھا ہے۔ظلم سے گالیاں دیتا ہے، اپنی قوت سے مخلوق کو دباتا ہے''۔

اور یہی وہ اسلامی جرأت تھی جو حضرت امام رضی اللہ عنہ نے بیدار کی تھی اور جس نے کربلا سے لے کر شام تک اور شام سے لے کر مدینہ منورہ تک ظالمانہ اقتدار کے خلاف بغاوت کی آگ لگا دی تھی، چنانچہ ایک طرف اگر مختار بن عبد اللہ الثقفی نے کوفہ پر قبضہ کر لیا تھا تو دوسری طرف مکہ معظّمہ میں حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی تحریک خلافت چل رہی تھی اور مدینہ منورہ میں شہادت امام کی خبر سے ہل چل پڑی ہوئی تھی۔

چنانچہ مختار بن عبد اللہ الثقفی نے اہل بیت کی حمایت کا دعویٰ کیا اور حضرت امام کے قاتلین سے انتقام لینے کا اعلان کر کے ان تمام لوگوں کی حمایت اور ہمدردی حاصل کی جو سبط اصغر کی شہادت کے غم میں بے چین ومضطرب تھے۔ان لوگوں میں جو کوفہ میں بھی صاحب اثر تھے اور اطراف کوفہ میں بھی رسوخ رکھتے تھے، جناب ابراہیم بن مالک اشتر کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے جو مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے مشہور و مخلص رفیق جناب مالک اشتر کے صاحبزادے تھے، کوفہ میں ان کے تعاون سے مختار کی قوت بہت زیادہ ہو گئی اور مولائے کائنات رضی اللہ عنہ کے فرزند جناب محمد بن حنیفہ کی حمایت اور تائید نے مختار کی طاقت اور حکومت کے دائرہ کو وسیع سے وسیع تر کر دیا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مختار نے قاتلین امام کو چن چن کر قتل کر ڈالنے میں بڑی کامیابی حاصل کی۔مختار کے دار الحکومت اور مذہبی عقائد سے بحث نہیں جس میں مؤرخین کو زبردست اختلاف ہے لیکن جہاں تک قاتلین امام کو ان کو کیفر کردار تک پہنچانے کے مشن کا تعلق ہے، مختار کی کامیاب کوششوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

بہر حال حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے خون ناحق کے اثرات اس سرعت کے ساتھ پھیلے کہ سارے عالم اسلام میں بیداری کی لہر دوڑ گئی اور اسلام ہمیشہ کے لیے زندہ ہو گیا، بعد کربلا جو واقعات رونما ہوئے، ان میں امام عالی مقام حسین رضی اللہ عنہ کی فتح کا وہ عکس جھلکتا رہا جو صبر کو ظلم پر، شکر کو ناشکری پر اور حق کو باطل پر حاصل ہوئی اور یہی وہ ابدی فتح ہے جس نے کربلا کے معرکہ کو ساری دنیا کے لیے قابل احترام بنا دیا، بے شک حضرت امام ہی کی ذاتِ گرامی ہے جس نے اسلام کی روح کو پھر بیدار کیا۔

ایک بہن اور بھائی کی لازوال داستان

ماسٹر احسان الٰہی

12 محرم الحرام کو قافلۂ حسینی کے پسماندگان، ان میں کچھ خواتین اور بچے بھی شامل تھے شامی فوج اسیر کر کے کوفہ کی طرف لے چلی۔ شہداء کے لاشے ابھی میدان کربلا میں بے گور وکفن ہی پڑے تھے۔ جب یہ ستم زدہ قافلہ ان کے پاس سے گزرا تو اہل قافلہ فرطِ الم سے نڈھال ہو گئے۔ اس موقع پر نواسۂ رسول، بنت علی، ہمشیرہ امام حسین کے لہو میں ڈوبے جذبات ہچکیوں کی صورت بہنے لگے اور تڑپ اٹھیں ''اے محمدِ مصطفیٰ ﷺ! اے نانا جان! آیئے دیکھیے، آپ ﷺ کے حسین کا خون آلود لاشہ چٹیل میدان میں پڑا ہے، اس کا جسم پارہ پارہ کر دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کے گھرانے کی عفت و غیرت مآب بیٹیاں رسیوں میں جکڑی ہوئی ہیں۔ آپ کی ذریت قتل کر کے ریت پر بچھا دی گئی ہے اور اس پر خاک اڑ رہی ہے۔ اے میرے نانا جان! یہ آپ کی اولاد ہے، جسے گھسیٹا جا رہا ہے۔ ذرا حسین کو دیکھیے جس کے رونے پر آپ تکلیف میں ہوتے تھے۔ جس کے بارے میں آپ کا ارشادِ گرامی ہے کہ میرے شہزادے حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ اور آپ کا ارشاد یہ بھی ہے کہ حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ یہ بھی کہ اے اللہ میں حسین سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ۔ اس حسین کا سر کاٹ لیا گیا ہے۔ اس کا عمامہ اور چادر چھین لی گئی ہے۔ زینب کبریٰ کا نوحہ سن کر انسان تو درکنار پتھروں کا سینہ بھی شق ہو گیا۔ جب اسیران کربلا کا لٹا ہوا قافلہ کوفہ میں داخل ہوا تو اہل کوفہ ہزاروں کی تعداد میں انہیں دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے۔ بے وفا کوفیوں کے ہجوم کو دیکھ کر شیر خدا کی بیٹی کو تابِ ضبط نہ رہی۔ ان لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''گستاخ اور منافق لوگو اپنی نظریں نیچی رکھو! یہ محمد ﷺ کی لٹی ہوئی اولاد ہے''۔

ابن زیاد نے پوچھا، یہ عورت کون ہے؟ لونڈی نے بتایا، زینب بنت علی ہیں۔ ابن زیاد نے کہا بی بی تم نے دیکھا تمہارے بھائی اور اس کے ساتھیوں کا کیا حشر ہوا؟ حضرت زینب بنت علی نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے انہیں درجہ شہادت پر فائز کیا ہے، عنقریب تم محشر میں ان کے سامنے پیش کیے جاؤ گے اور اس وقت تمہیں پتہ چلے گا کہ کس کا کیا حشر ہوتا ہے''۔

چندروز کی مسافت کے بعد ملعون ابن زیاد شہداء کربلا کے سر مبارک اور لٹے پٹے قافلے کو لے کر فاتحانہ انداز میں دمشق یزید کے دربار میں داخل ہوا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر اقدس یزید کے سامنے پیش کیا گیا تو خواتین اہل بیت رونے لگیں۔ حضرت زینب سرِ اقدس کو دیکھ کر تڑپ اٹھیں، اے ماں جائے، میرے حسین، اے مصطفی ﷺ کے جگر گوشے، نانا کے سوار، اے الزہرہ رضی اللہ عنہا کے لختِ جگر، اے نوجوانانِ جنت کے سردار، اے میرے بھائی اور پھر بھرے مجمع میں یزید کے دربار میں جس جرأتمندانہ الفاظ سے خطاب فرمایا اس کی گھن گرج سے یزید پر ہیبت طاری ہوگئی۔ زینب بنت علی نے حمد وثناء اور درود وسلام کے بعد سورۃ الروم کی آیت مبارکہ کی تلاوت فرمائی:

''پھر وہ لوگ جو برائیوں میں حد سے بڑھ گئے، ان کا انجام یہ ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں کو ہی جھٹلانے لگ گئے اور ان کا مذاق اڑانے لگے''۔ (تذکرہ سے ماخوذ)

اور پھر گرجدار لہجہ کے ساتھ یزید سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:

''اے یزید! یہ تو زمانے کا انقلاب ہے کہ مجھے تجھ جیسے شخص سے بات کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ ٹھہر یزید ٹھہر! ایک دو سانسیں اور لے لے، پھر دیکھنا کیا ہوتا ہے؟ دراصل تو ربّ ذوالجلال کے اس فیصلے کو بھول بیٹھا ہے کہ:

''جو لوگ ایمان کو چھوڑ کر کفر کے خریدار بنے ہیں، وہ یقیناً اللہ کا کوئی نقصان نہیں کر رہے ہیں، ان کے لیے دردناک عذاب تیار ہے۔ یہ ڈھیل جو ہم انہیں دیے جاتے ہیں، اس کو یہ کافر اپنے حق میں بہتری نہ سمجھیں، ہم تو انہیں اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں کہ یہ خوب گناہ سمیٹ لیں، پھر ان کے لیے سخت ذلیل کرنے والا عذاب ہے''۔

سیدہ نے فرمایا:

''اے یزید! یہ چندروزہ زندگی کی عیش ہے۔ تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی بساط الٹنے والی ہے اور پھر تمہیں شہیدوں کے لہو کا حساب دینا ہوگا۔ نبی ﷺ کے گھرانے کی پاکباز خواتین کو قیدی بنا کر اور ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کرنے سے تم سمجھتے ہو کہ تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم نے ہم پر غلبہ پا لیا ہے، دنیا فتح کر لی ہے اور اپنے منصوبوں میں کامیاب ہو گئے ہو تو یہ تمہاری بھول ہے۔ اے یزید! یاد کرو وہ وقت جب فتح مکہ کے موقع پر میرے نانا جان اور اللہ کے رسول ﷺ نے تمہارے خاندان کو معاف فرما دیا تھا اور دائرۂ اسلام میں داخل فرمایا تھا اور ان کے ساتھ شفقت، رحم دلی اور نرمی کا سلوک کیا تھا۔ تمہارے خاندان کی عورتوں کو احترام اور عزت دی تھی اور آج تم ہمیں اس کا یہ اجر دے رہے ہو؟ کیا یہی تیرا انصاف ہے کہ محسنِ کائنات ﷺ کے گھرانے کی عورتوں اور بچوں کو غلام بناتے ہو؟ اللہ کے

رسول ﷺ نے تمہارے خاندان کی عورتوں کو اکرام دیا، ان کے سروں پر اوڑھنیاں ڈالیں اور آج تمہارے ساتھیوں نے سیدزادیوں کے سروں سے اوڑھنیاں چھین لی ہیں؟ تم نے ہمیں بے پردہ کر دیا، بے گھر کر دیا، ہمارے مردوں کو ہماری آنکھوں کے سامنے شہید کر دیا۔ یاد رکھ! میں محمد ﷺ کی نواسی اور نواسۂ رسول شہید کربلا امام حسین علیہ السلام کی ہمشیرہ زینب بنت علی ہوں۔ میرے خاندان نے جھکنا نہیں سیکھا۔ اے یزید! افسوس ہے تم پر، تم نے اپنے لیے بڑا ظلم کمایا ہے"۔

یہ خطبہ سن کر کوفیوں کو اس قدر ندامت ہوئی کہ ان میں سے اکثر کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ حیدر کرار مولا علی علیہ السلام کی بیٹی کی گھن گرج سن کر یزید اور اس کے درباری سکتے میں آ گئے اور حواس باختگی کی کیفیت میں مبتلا ہو گئے۔ یزید لعین پلید کو خوف محسوس ہوا کہ کہیں لوگ خاندانِ رسالت کی حمایت میں اس کے خلاف نہ اٹھ کھڑے ہوں۔ اس نے خواتین اہل بیت اطہار کو اپنے خاص حرم میں ٹھہرایا۔ چند دن بعد اس نے نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ عنہ کے زیرِ حفاظت قافلۂ اہل بیت اطہار کو مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ جب یہ قافلہ مدینہ شریف پہنچا تو وہاں بزرگ صحابہ کرام اہلِ بیت اطہار کی حالت دیکھ کر دل گرفتہ اور آبدیدہ ہو گئے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے نانا جان اور اپنے والد گرامی کے اصحاب کو روتے دیکھا تو فرطِ الم میں پکار اٹھیں:

"اے بنی ہاشم! تمہارا چاند غروب ہو گیا، اے میرے نانا جان کے اصحاب آپ نے جس بچے کو بھی اپنے آقا کے دوش مبارک پر سوار دیکھا تھا، اس کا جسمِ اطہر گھوڑے کی سموں سے پامال ہو گیا"۔

زینب اس قدر روئیں کہ غشی طاری ہو گئی۔ اس دن سارا مدینہ سوگوار اور حزن و ملال کی کیفیت سے دوچار تھا اور سارے ماحول اور فضا میں پژمردگی کی گھٹائیں چھائی رہیں اور کئی روز تک سوز کی یہ کیفیت سایہ فگن رہی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا روضۂ رسول ﷺ پر حاضر ہوئیں تو ان کی چیخیں نکل گئیں اور زبان پر یہ الفاظ جاری تھے:

"اے میرے پیارے نانا جان آپ کے فرزند اور اپنے بھائی حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر لائی ہوں۔ آپ کی اولاد کو رسیوں سے جکڑ کر کوفہ اور دمشق کی گلیوں میں پھرایا گیا"۔

پھر اپنی والدہ ماجدہ سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی قبرِ انور پر گئیں اور اس قدر روئیں کہ پتھروں کا کلیجہ بھی پھٹ گیا۔ اس کے بعد مدینہ منورہ میں کسی شخص نے ام المصائب بنتِ علی رضی اللہ عنہا کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں دیکھی۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا، ان کے بابا شیرِ خدا، ان کی والدہ سیدۃ النساء اور ان کے نانا سید الانبیاء ﷺ تھے۔ ان کی عظمتوں کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنے نانا ﷺ کے آنگن کی کلی تھیں۔ حبیب خدا ﷺ کی محبوب نواسی تھیں۔ نانا ﷺ کے سینۂ اطہر پر سر رکھ کر سو جایا کرتی تھیں وہ ساعتیں کس قدر وجد آفریں ہوں گی جب معصوم حسین کھیلتے کھیلتے اپنے نانا جان کے شانوں پر جا بیٹھتے ہوں گے اور پھر محبوب خدا ﷺ کے سجدے طویل اور بہت طویل ہو جاتے ہوں گے اور پروردگار عالم اپنے محبوب کو دیکھتے ہوں گے کہ کب یہ سوار اترے اور سر مبارک سجدے سے اٹھے۔

یزید کی بیوی نے جب قید خانے کا معائنہ کیا تو سیدات سے پوچھا کہ آپ کہاں کی رہنے والی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ہم مدینہ کی رہنے والی ہیں۔ یزید کی بیوی بوکھلا گئی اور پوچھا، آپ کا گھر روضۂ رسول ﷺ سے کتنے فاصلے پر ہے؟ سیدات رضی اللہ عنہن نے بتایا کو جب سایہ روضۂ رسول ﷺ ڈھلتا ہے تو پہلے ہمارے گھر میں آتا ہے۔ یہ سنتے ہی یزید کی بیوی کانپ اٹھی اور یزید کے دربار کی طرف دوڑی اور یزید سے کہا ہم نے بڑا ظلم کمایا ہے۔ واقعہ کربلا کے بعد یزید کو ایک پل چین نہ آیا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے خطاب سے اس کے قلب و روح میں شگاف پڑ چکے تھے۔ اس کے اپنے بھی اس پر لعن طعن کرنے لگے تھے۔ اور یزید زوال کا آغاز ہو چکا تھا۔ چودہ صدیاں گزر گئیں آج بھی "حسین زندہ باد، حسین زندہ باد" کی گونج بڑے زور و شور سے سنائی دے رہی ہے اور قیامت تک یہ صدائیں بلند ہوتی رہیں گی۔ آج ہر گھر میں کسی کا نام حسین ہے، حسن ہے، علی ہے، علی اصغر ہے، علی اکبر ہے، فاطمہ ہے، زینب ہے، سکینہ ہے اور لوگ یہ نام رکھنا باعث برکت گردانتے ہیں۔ یزید کی تو نسل ہی ختم ہو گئی۔ آج تک کسی نے اپنے بیٹے کا نام یزید نہیں رکھا کیونکہ یہ نفرت، کمینگی، نحوست، بے برکتی، بدنصیبی، بدشگونی کا استعارہ ہے۔

کسی شاعر نے کیا خوب عکاسی کی ہے:

اک پل کی تھی حکومت یزید کی
صدیاں حسین کی ہیں زمانہ حسین کا

واقعۂ کربلا ایک بہن اور بھائی کی لازوال داستان ہے۔ ایک بہن اور بھائی کی اپنے نانا ﷺ کے دین پر قربان ہونے کی بے مثال کہانی ہے۔ یہ وہ زندہ کہانی ہے جس کی عظمت کے سامنے جھکے سر خون کے آنسو رلاتے ہیں۔ کہاں گئے وہ بھائی اور کہاں گئیں وہ بہنیں۔ امتِ محمد یہ ﷺ کو آج پھر کسی حسین رضی اللہ عنہ اور زینب رضی اللہ عنہا کی تلاش ہے۔

شامِ غربت یہ بتا مجھ کو سحر دور ہے کتنی
میری زینب ہے کہاں اور وہ رنجور ہے کتنی
آج شہزادیاں پابستۂ زنجیر، ستم میں
آزمائش تجھے قدرت بتا منظور ہے کتنی
میں نبی زادی ہوں سن لے مجھے دربار یزید
آج بھی دیکھ لے طاقت تیری معذور ہے کتنی
اے بہن حوصلہ تیرا، تیرے بھائی کی طرح ہے
بنتِ حیدر کو سمجھتے تھے وہ مجبور ہے کتنی
نام لیوا بھی نہیں کوئی تیرا آج یزید
داستان دیکھ لے شبیر کی مشہور ہے کتنی

یاد رکھنے اور عمل کرنے کے لیے حضور ﷺ کی باتیں روحانی سوغات ہیں، ہمیں اُن باتوں کو خود پر سائے کی طرح نہیں گزارنا چاہیے، قیامت تک کے لیے مشعلِ راہ اور حرزِ جان بنا لینا چاہیے۔ حاصلِ زندگی تو بس یہی متاعِ گراں بہا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ سوچوں کی ان دیکھی گرہیں بالآخر کھل جائیں گی۔

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

منجانب: سید فضل حسین شاہ۔ راولپنڈی

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

شہکار عدالت مطلوب مصطفیٰ خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محمد حامد رضا چشتی

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نام عمر کنیت ابو حفص اور لقب فاروق تھا۔ والد کا نام خطاب اور والدہ کا نام ختمہ تھا۔ آپ کا خاندان ایام جاہلیت سے نہایت ممتاز تھا۔ آپ کے جدِ امجد عدی بن کعب عرب کے باہمی تنازعات میں ثالث ہوا کرتے تھے علاوہ ازیں قریش کو اگر کسی قبیلے کے ساتھ ملکی مسئلہ پیش آ جاتا تو انہی کو سفیر بنا کر بھیجا جاتا تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہجرت نبوی سے چالیس برس قبل پیدا ہوئے۔ آپ کی عمر ستائیس برس کی تھی کہ آفتاب رسالت ریگستان عرب کے افق پر نمودار ہوا اور مکہ کی فضاؤں میں توحید کی صدا بلند ہونے لگی چونکہ حضرت عمر طبعاً جذباتی اور سخت گیر تھے اس لیے جب حق کی صدا آپ کے کانوں میں پہنچی تو سخت برہم ہوئے یہاں تک کہ جس کی نسبت معلوم ہو جاتا کہ مسلمان ہو گیا ہے اس کے دشمن بن جاتے۔ قریش کے برسر آوردہ اشخاص میں ابوجہل اور حضرت عمر اسلام اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سخت دشمن تھے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ انہیں دونوں میں سے ایک کے حلقۂ بگوش اسلام ہونے کی دعا فرمائی۔ اللہ کریم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعا کو شرف قبول بخشا اور ایمان کی سعادت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی اس وجہ سے آپ کو مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کے اسلام قبول کرنے پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت مسرور ہوئے آپ کو گلے سے لگا لیا اور آپ رضی اللہ عنہ کے سینہ مبارک پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی:

''اے اللہ عمر کے سینے سے کینہ و عداوت نکال کر ایمان بھر دے''۔

آپ کے قبول اسلام سے اسلام کو ایک نئی زندگی ملی اس سے پہلے مسلمان کعبہ میں نماز ادا نہیں کر سکتے تھے حضرت عمر کے اسلام لانے سے حالت دفعتاً بدل گئی اور مسلمانوں نے پہلی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں کعبہ میں با جماعت نماز ادا کی۔ مدینہ شریف کی طرف ہجرت کا حکم ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی بیس آدمیوں کے ساتھ مدینے کا قصد کیا لیکن اس شان کے ساتھ روانہ ہوئے کہ پہلے مسلح ہو کر مشرکین کے لشکر سے گزرتے ہوئے خانہ کعبہ پہنچے، نہایت اطمینان سے طواف کیا، نماز پڑھی پھر مشرکین سے مخاطب ہوئے اور فرمایا میں مکہ سے ہجرت کر رہا ہوں اگر کسی کی خواہش ہے کہ اس کی ماں اس سے محروم ہو جائے اس کی بیوی بیوہ ہو جائے اور اس کے بچے یتیم ہو جائیں تو وہ اس وادی کے پار میرے مقابلے میں آئے لیکن کسی شخص کو ہمت نہ ہوئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہ صرف دست راست رہے بلکہ ہر اہم معاملے میں آپ سے مشورہ کیا جاتا رہا۔ اذان کا طریقہ آپ ہی کی تجویز پر رائج کیا گیا۔

آپ کے کردار کا سب سے روشن اور نمایاں پہلو زہد و عبادت ہے جس کا اعتراف اکابر صحابہ کرام نے بھی کیا حضرت طلحہ فرماتے تھے کہ قدامت اور ہجرت کے لحاظ سے بہت سے لوگوں کو عمر بن خطاب پر فضیلت حاصل ہے لیکن زہد و قناعت میں وہ سب سے بڑھے ہوئے تھے، حکومت کے تخت و جلال پر بیٹھ کر جس زہد و قناعت کا نمونہ آپ نے دنیا کے سامنے پیش کیا اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عموماً لباس گرمی میں بنواتے تھے اور پھٹ جاتا تو پیوند لگاتے چلے جاتے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ آپ سے ملنے آئے اور کافی دیر گھر کے باہر انتظار کرتے رہے جب حضرت عمر فاروق باہر نکلے تو پتہ چلا کہ پہننے کو کپڑے نہ تھے اس لیے انہی کپڑوں کو دھلوا کر سوکھنے کے لیے ڈال رکھا تھا۔ آپ کی غذا بہت سادہ تھی بیت المال سے معمولی رقم لیتے تھے جس سے گھر کے اخراجات بڑی مشکل سے پورے ہوتے تھے۔ زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ آپ بیمار ہو گئے طبیبوں نے آپ کے لیے شہد تجویز کیا بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن قلب متقی بغیر مسلمانوں کی اجازت کے لینے پر راضی نہ تھا چنانچہ اسی حالت میں مسجد تشریف لائے اور مسلمانوں کو جمع کر کے اجازت طلب کی جب لوگوں نے اجازت دی تو تب شہد استعمال کیا۔

آپ کی تمام زندگی سادگی سے عبارت تھی۔ پیوند لگا لباس پہن کر مدینہ کی گلیوں میں گھومتے تھے عیش و عشرت و آسائش و راحت سے آپ کو سخت نفرت تھی۔ حاکم وقت ہونے کے باوجود جو کی نمکین روٹی، ستو، کھجور اور سادہ پانی آپ کی غذا تھی۔ معمولی سی معمولی کام بھی خود سر انجام دیتے تھے آپ کی زندگی کا ایک ایک فعل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ کار کے مطابق تھا لوگ آپ کی سادگی اور بے نفسی دیکھ کر دنگ رہ جاتے تھے۔

آپ کے عہد حکومت میں معاشرہ میں یک جہتی پیدا ہوئی اور معاشرہ دنیاوی و سماجی آلائشوں سے پاک صاف ہو گیا۔ عوام کی جان و مال کی حفاظت خدمت خلق اور سادگی عدل و انصاف کی فراہمی اسلامی شریعت کا مکمل نفاذ مسلمانوں اور ذمیوں کے ساتھ برابر کا سلوک ماتحت کمانڈروں اور قاضیوں کا عہدہ رکھنے والوں کا محاسبہ آپ کے عہد کی چند زریں اصلاحات تھیں۔

فجر کی نماز کے وقت ایک عجمی مجوسی غلام فیروز نے زہر لیے خنجر سے آپ پر وار کیا جس کی وجہ آپ زخمی ہو

علی رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو یوں خراج تحسین پیش کیا:

"مجھے آپ جیسے اعمال حسنہ والے انسان سے زیادہ کوئی محبوب نہیں میری دلی تمنا ہے کہ میں بھی آپ جیسے اعمال حسنہ لے کر بارگاہ خداوندی میں پیش ہوں"۔

فرامین مصطفی ﷺ کی روشنی میں فضائل ومناقب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تاریخ کا دامن ایسے ہزاروں واقعات سے بھر پور ہے جن سے حضرت عمر فاروق کی حضور ﷺ سے بے پناہ محبت وعقیدت جھلکتی ہے جب بھی آپ کے سامنے کسی نے حضور ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کا اشارہ تک بھی کیا یا کسی کی گفتگو میں سرور کونین ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کا ایک خفی سا پہلو بھی پایا گیا تو حضرت عمر فاروق نے فوراً گستاخ رسول ﷺ کا سر قلم کرنے کے لیے تلوار میان سے نکال لی۔

حضور ﷺ بھی حضرت عمر فاروق سے بے پناہ محبت وعقیدت فرماتے تھے۔

درج ذیل سطور میں حضور ﷺ کے ان ارشادات حالیہ کو سپرد قلم کیا جا رہا ہے جو آپ ﷺ کی زبان حق ترجمان سے حضرت عمر فاروق کی شان میں جاری فرمائے۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

1۔ اے ابن خطاب اس ذات اقدس کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے شیطان جس راہ پر آپ کو گزرتے ہوئے پاتا ہے وہ اس راستہ سے ہٹ جاتا ہے۔

2۔ تم سے پہلے جو امتیں تھیں ان میں محدث ہوا کرتے تھے اور میری امت میں کوئی اگر محدث ہے تو وہ عمر ہے۔

3۔ اگر میرے بعد کسی نبی کا آنا ممکن ہوتا تو وہ عمر ہوتا۔

4۔ عمر جنتی ہے اور بارگاہ رب العزت میں بلند مقامات اور درجات پر فائز ہے۔

5۔ جنت میں فاروق اعظم کو ایک محل ملے گا۔

6۔ ایسا کوئی نبی نہیں ہوا جس کے دو وزیر آسمانوں اور دو وزیر زمین میں نہ ہوں لہٰذا آسمانوں پر میرے دو وزیر جبرائیل اور میکائیل ہیں اور زمین پر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق ہیں۔

7۔ اللہ تعالیٰ نے حق کو عمر کی زبان پر جاری کر دیا ہے اور اس کے دل میں ثبت کر دیا ہے وہ فاروق ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے حق وباطل میں تفریق کر دی ہے۔

8۔ آسمان کا ہر فرشتہ عمر کی عزت کرتا ہے اور زمین کا ہر شیطان ان کے خوف سے کانپتا ہے۔

9۔ بے شک میں دیکھ رہا ہوں کہ جنوں اور انسانوں کے شیطان عمر سے ڈر کر بھاگ رہے ہیں۔

10۔ جس نے عمر کو محبوب رکھا اس نے مجھے محبوب رکھا جس نے عمر سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

حکمت فاروقی کے جواہر پارے

دنیا میں کسی انسان کی عظمت کو دیکھنے کے عام طور پر دو ہی بڑے پیمانے ہیں۔

پہلا تو یہ کہ اس کی فکر اور دعوت کیا ہے؟

دوسرا یہ کہ اس کی اپنی زندگی کہاں تک اس فکر کی عکاسی کرتی ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں اگر کسی انسان کا فکر عالمگیر اس کی دعوت نجات دہندہ خلق اس کا پیام اور اس کی زندگی ان اصولوں کی جیتی جاگتی تصویر ہے تو وہ مقتدائے انسانیت سید الاولین و آخرین حضرت محمد مصطفی ﷺ کی ذات گرامی ہے یا پھر وہ مبارک لوگ ہیں جنہوں نے انسانیت کے اس محسن اعظم سے محبت وشفقت کے سبق سیکھے۔

اسی درسگاہ کے نامور متعلم سیدنا عمر فاروق کے نام نامی سے کون واقف نہیں آپ کی جامع اور متنوع زندگی کے ایک ایک پہلو پر مبسوط مضامین لکھے جا سکتے ہیں اسلامی تاریخ کے اس سب سے بڑے ہیبت اور دبدبے والے درویش متواضع اور منکسر المزاج خلیفہ کی زندگی کا ہر پہلو عظیم ہے۔

ذیل میں آپ کے بعض حکیمانہ مقولے پیش خدمت ہیں جو آپ کی جامع اور کامیاب زندگی کا راز اور لب لباب ہیں بظاہر تو یہ معمولی باتیں ہیں لیکن اگر ان پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہی وہ پاکیزہ اصول ہیں جنہیں حضرت عمر نے بارگاہ نبوی ﷺ سے سیکھ کر فاروق اعظم کا مرتبہ حاصل کیا تھا۔

آپ نے فرمایا:

1۔ جو شخص اپنا راز چھپاتا ہے وہ اپنا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔

2۔ جس سے تم کو نفرت ہو اس سے ڈرتے رہو۔

3۔ جو شخص برائی سے واقف نہیں وہ اس میں مبتلا ہوگا۔

4۔ تین چیزیں محبت بڑھانے کا ذریعہ ہیں سلام کرنا، دوسروں کے لئے مجلس میں جگہ خالی کرنا، مخاطب کو بہترین نام سے پکارنا۔

5۔ دنیاوی حرص کو کم کرو آزادانہ زندگی بسر کر سکو گے۔

6۔ زیادہ ہنسنے سے عمر کم ہوتی ہے، رعب داب جاتا رہتا ہے اور موت سے غفلت ہو جاتی ہے۔

7۔ جو عیب سے مطلع کرے وہ دوست ہے۔

8۔ کم بولنا حکمت، کم کھانا صحت، کم سونا عبادت اور کم آمیزی میں عافیت ہے۔

9۔ مشغولیت سے پہلے فراغت اور معت سے پہلے زندگی کو غنیمت جان۔

10۔ طمع کرنا مفلسی اور بے غرض ہونا امیری ہے۔

سالکین! طالبین اور محبین!!!

اعمال کی چار صورتیں ہو سکتی ہیں:

1) صوری 2) عرفانی اور وجدانی 3) حقیقی 4) اور روحانی

اعمال اس وقت تک اعتبار نہیں پا سکتے جب تک ان کی صورت رسول کریم ﷺ کی سنت کے مطابق نہ ہو جیسے آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"نماز تم اس طرح پڑھو جیسے میں نماز پڑھتا ہوں"۔

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

منجانب
نائس بیکرز
اینڈ
سویٹس ہاؤس

زہد الانبیاء شیخ الاسلام والمسلمین قطب الاقطاب

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

پیر محمد علی شاکر طبی

گم کردہ راہ انسانوں کو خالق و مالک سے ملانے کے لیے انبیاء ورسل تشریف لاتے رہے اور دلوں میں معرفت الٰہیہ کا چراغ جلاتے رہے ۔ اس سلسلہ کی آخری کڑی ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ ہیں کیونکہ آپ خاتم النبیین ہیں تو صوفیاء کرام قیامت تک دلوں کی تطہیر و تزکیہ کا کام سرانجام دیتے رہیں گے ۔ یہ اولیاء کاملین اپنے آپ کو رسول اکرم ﷺ کے اخلاق عالیہ کے قالب میں ڈھال کر محبوب خلائق بنتے ہیں ۔ تب جا کر ایمان اسلام اخلاص اور احسان کی دولت مخلوق خدا میں بانٹتے ہیں ۔

سرتاج اولیاء قطب الاقطاب ، زاہد الانبیاء ، شیخ الاسلام والمسلمین حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ شہید محبت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ مجاز ہیں ۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا اسم مبارک ''مسعود'' القاب ''فرید الدین'' ''گنج شکر'' زہد الانبیاء ہیں ۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی کا نام مبارک جمال الدین سلیمان رحمۃ اللہ علیہ ہے ۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دادا قاضی شعیب رحمۃ اللہ علیہ کھوتوال کے قاضی تھے ۔ چنگیز خان کے حملے کے دوران کابل سے ہجرت فرما کر قصور آگے بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب 18 واسطوں سے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی تعلیم جس میں حفظ القرآن اور درسی کتب شامل ہیں کھوتوال سے ہی حاصل کیں ۔ اٹھارہ سال کی عمر میں مزید حصول علم کے لیے ملتان تشریف لے گئے ۔ مولانا منہاج الدین ترمذی سے اکتساب فیض کیا ۔

ملتان میں ہی آپ کی ملاقات خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوتی ان سے بیعت کا شرف حاصل کیا ۔ مزید تحصیل علم کے لیے مکۃ المکرمہ ، مدینۃ المنورہ ، بغداد شریف ، قندھار ، سیوستان ، بدخشاں ، چشت ، بخارا کا سفر کیا ۔ اسی سفر میں حج کی سعادت بھی حاصل کی ۔ دوران سفر مشائخ عظام سے ملاقاتیں ہوئیں ان میں حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ، حضرت فرید الدین عطا رحمۃ اللہ علیہ ، حضرت بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت واحد الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ قابل ذکر ہیں ۔

تقریباً 5 سال کے سفر کے بعد اپنے شیخ کامل مرشد کریم حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دلی حاضر ہوئے وہیں آپ کی ملاقات شیخ کامل کے مرشد کامل حضرت خواجہ خوجگان غریب نواز سلطان الہند حضرت معین الدین چشتی اجمیری سے ہوئی ۔ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ آپ کے جوش اور جذبہ سے بڑے متاثر تھے ۔ خرقہ خلافت ملنے کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ مرشد کریم کے حکم سے ہانسی چلے گئے ۔ مرشد کریم کے وصال پر آپ ہانسی سے دہلی حاضر ہوئے ۔ مزار پرانوار پر سلام عرض کیا ۔ شیخ کامل رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو خرقہ اور دوسری امانتیں پیش کیں ۔ خلق خدا کے ہجوم کی وجہ سے آپ کسی گمنام اور پرسکون مقام کی تلاش میں تھے تو دریائے ستلج کے کنارے ''ابودھن'' پسند آ گیا' یہی ابو دھن آج کا ''پاک پتن شریف'' ہے ۔ آپ نے ظاہری حیات مبارکہ کے 24 سال یہاں گزارے اور محبت عشق رسول ﷺ کی شمع روشن فرماتے رہے ۔

بالآخر 5 محرم الحرام 664ھ کو آپ انتقال فرما جاتے ہیں ۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغ پر پنجاب کے بڑے بڑے قبیلے آپ کے دست مبارک پر مسلمان ہوئے ۔ جن میں سیال ، راجپوت ، وٹو ، جوئیے ، کھرل ، گوندل ، ٹوانے ، چدھڑ ، گجر ، چیمے ، وڑائچ ، کاٹھیے اور جٹ شامل ہیں ۔

بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کو اس مقام پر پہنچانے میں جہاں حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ ہے وہاں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ ''قرسم خاتون'' کا بہت بڑا کردار ہے ۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ حضرت وجیہہ الدین خجندی رحمۃ اللہ علیہ کی بیٹی تھیں ۔

بابا کی عمر 5 سال تھی تو والدہ ماجدہ نماز کی تلقین فرمائیں ۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو شکر بڑی پسند تھی ۔ آپ جب بھی والدہ ماجدہ سے شکر طلب فرماتے تو ماں جی فرماتی بیٹا نماز تجھے شکر کھلائے گی اور مائی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہ جائے نماز کے نیچے شکر رکھ دیتیں اور نماز کا فرماتی ۔ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نماز ادا فرمانے کے بعد جائے نماز اٹھاتے تو شکر مل جاتی ۔ ایک دن آپ دوستوں کے ساتھ گھر سے باہر تشریف فرما تھے ۔ نماز کا وقت آیا تو فرمایا آؤ بیلیو نماز پڑھتے ہیں شکر ملے گی ۔ حسب عادت شکر ملی مگر آج زیادہ مقدار میں تھی کیونکہ آج نمازی بھی زیادہ تھے ۔ دوسری طرف والدہ ماجدہ سجدے میں گر گر گریہ زاری کر رہی ہیں ۔ مولا! آج میری لاج رکھنا آج شکر نہ ملی تو ''مسعود'' کیا سوچے گا ۔ گھر جا کر جب آپ نے ماں جی کو بتایا تو انہوں نے سجدہ شکر ادا کیا کہ اللہ تو نے میری لاج رکھ لی اسی دن سے نام ''گنج شکر'' پڑا ۔ ویسے ماں جی آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ''شکر پارہ'' کہہ کر بلاتی تھیں ۔

بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے پیرومرشد کے حکم پر طے کا روزہ رکھا ۔ مرشد کریم کا حکم تھا کہ جو کچھ عالم غیب سے ملے اس سے افطار کرنا ۔ سات روز بعد نقاہت

غالب آئی تو چند سنگ ریزے سے اٹھا کر منہ میں ڈالے تو وہ شکر بن گئے۔ جلدی سے منہ سے نکال دیے مبادا یہ وسوسہ شیطانی ہو؟ ضعف کے باعث زمین پر گر پڑے تو منہ مبارک سے جو مٹی لگی شکر بن گئی پیرو مرشد کو بتایا تو انہوں نے فرمایا ''تو تو'' ''گنج شکر'' ہے اسی روز سے آپ کا لقب ''گنج شکر'' ہوا۔ ایک سوداگر شکر سفید لاد کر شہر جا رہا تھا حضرت خواجہ فرید رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوداگر سے پوچھا میاں کیا ہے اس نے مذاقاً کہا ''نمک'' فرمایا اچھا نمک ہی ہوگا۔ شہر پہنچ کر جو دیکھا تو وہ نمک تھا۔ سوداگر رویا، چلایا شکر سے نمک کیسے بن سکتا ہے؟ روتا پیٹتا واپس آیا معافی مانگی۔ میں نے جھوٹ بولا تھا وہ شکر تھی فرمایا جاؤ شکر ہی ہوگی۔ دوبارہ آیا تو نمک شکر میں تبدیل ہو چکا تھا۔ خود بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا مبارک قول ہے۔ بندہ مسعود نے 40 سال تک وہ کیا جو مالک و خالق کہتا رہا۔ لمحہ بھر بھی نافرمانی نہ کی اب جو بندہ کے دل میں آتا ہے ویسے ہی ہو جاتا ہے۔

بہشتی دروازہ

منقول ہے کہ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کو بارہ سال گوشہ نشینی کے بعد عالم غیب سے ندا آئی آج صبح سے شام تک جو تیری زیارت کریں گے اس پر دوزخ حرام ہوگی۔ آپ نے منادی کرادی گردو نواح سے ہزاروں لوگ فیض یاب ہوئے۔ آپ نے فرمایا اپاہج، بیمار اور پردہ نشین مستورات بھی اس سے محروم نہ رہیں پالکی میں بیٹھ کر گلی کوچوں کا چکر لگوایا۔

حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ کامل کے لیے دوا وغیرہ لینے بازار میں تھے منادی سنی تو چھپ گئے دیر سے واپس آئے تو مرشد کریم نے وجہ پوچھی تو عرض کیا پورا واقعہ سنا دیا فرمایا تجھے بہشت کی ضرورت نہ تھی فنافی الشیخ مرید صادق نے عرض کیا آپ کی کفش برادری اور خاک بوسی سے بہشت پا چکا ہوں پھر کیا ضرورت تھی۔ ارشاد فرمایا جا جو تیری قبر کی زیارت کرے گا اس پر دوزخ حرام ہوگی۔

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ محبوب الٰہی نے سرکار مدینہ ﷺ کے ہمراہ چاروں یاروں کے اور عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ، حضور غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ حضور ﷺ فرما گزار رہے ہیں: ''من دخل هذا الباب امن'' جو اس دروازے سے گزر گیا امن پائے گا۔ وجد میں نعرہ لگایا:

''اللہ محمد چار یار حاجی خواجہ قطب فرید''

یہ نعرہ آج بھی لگایا جاتا ہے۔

اس عقیدے پر حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی، حضرت علاؤ الدین علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بدر الدین سلیمان رحمۃ اللہ علیہ، حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ، شیخ یحییٰ مدنی رحمۃ اللہ علیہ، شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی، مولانا فخر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، قبلہ عالم نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ اور گنج کرم حضرت سید محمد اسماعیل شاہ بخاری کرماں والے جیسے شاہان ولایت اپنے اپنے زمانے میں گزرتے رہے ہم بھی اسی طرح گذر کر فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی شفاعت کے حق دار بنتے رہیں گے۔

دورِ حاضر کے عظیم المرتبت قبلہ مفکر اسلام مفسر قرآن علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب نے خود مشاہدہ فرمایا کہ جب میں بہشتی دروازے پر لکھی حدیث مبارک پڑھی تو دل میں خیال آیا کہ ''باب'' مذکر ہے اور اس کے لیے یہاں مؤنث ھٰذہ لکھا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث نہیں ہوسکتی تو مجھے بابا کی چوکھٹ پر نبی رحمت ﷺ کا دیدار نصیب ہوا اور حضور فرما رہے تھے شاہ جی! یہ میری ہی حدیث ہے لکھنے والے نے غلطی کی ہے۔ 5 محرم سے 10 محرم تک ہر رات مغرب تا فجر یہ بہشتی دروازہ کھلتا ہے۔

بابا کا یہ شعر مجھے بڑا پسند ہے:

فریدا صاحب دی کر چاکری
دل دی لاہ بھراند
درویشاں نوں لوڑیئے
رکھاں دی جیراند

''اللہ کی فرمانبرداری سے ہی دلوں کو سکون مل سکتا ہے اور جو لوگ اس راہ میں رہنمائی کرسکتے ہیں ایسے درویشوں کو ایسے تلاش کرنا چاہیے جیسے سائے کے لیے درخت کو تلاش کیا جاتا ہے''۔

آج بدقسمتی سے ہمارا نظام تعلیم وکیل، ماہر تعمیرات، ماہر تعلیم، تاجر تو پیدا کررہے ہیں مگر یہ نظام حضور داتا گنج بخش، بابا فرید گنج شکر، حضرت صاحب کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ جیسی ہستیاں پیدا کرنے سے قاصر کیوں؟ کیا! مائیں ان جیسی ہستیاں پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم ہوچکی ہیں ایسا ہرگز نہیں؟ نہ ہماری نسل میں کوئی کمی ہے اور نہ صلاحیتوں میں فرق صرف ماحول کا ہے۔

آج بھی ''خانہ فرید'' جیسے ادارے قائم ہوجائیں تو کیسی کیسی ہستیاں ان اداروں سے نکلیں گی اور قحط الرجال ختم ہوجائے گا۔

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

آج پوری دنیا جو امن کو ترس رہی ہے بابا فرید گنج شکر کی تعلیمات کو اپنا لے ہر طرف امن ہی امن ہوسکتا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو قینچی پیش کی گئی تو آپ نے قبول نہ فرمائی اور فرمایا مجھے سوئی دو کیونکہ قینچی کاٹتی ہے اور سوئی ملاتی ہے جوڑتی ہے درویشوں کا کام جوڑنا ہوتا ہے کاٹنا نہیں۔ اور مل کر ورد کریں:

حق فرید رحمۃ اللہ علیہ یا فرید رحمۃ اللہ علیہ

زندگی امتحان ہے اور موت امتحان کے ختم ہونے کا اعلان ہے۔ ایک اچھا انسان سمجھتا ہے کہ خلوت اور جلوت دونوں کو اللہ کے لیے ہونا چاہیے۔ وہ لوگ جو خوشی اور غم، مشکلات اور آسانیاں سب کچھ اللہ کے سپرد کردیتے ہیں وہ صحیح معنوں میں اصحاب ایمان ہوتے ہیں اور وہ ارباب محبت ہونے کا اعزاز بھی رکھتے ہیں۔

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

منجانب: ڈاکٹر محمد سلیم۔ شیخوپورہ

در حجرۂ فقر بادشاہی ہے
در عالم دل جہاں پناہی ہے

سید ریاض حسین شاہ

پاکستان کے وزیر اعظم محمد نواز شریف بنے تو ان کی اتفاق جامع مسجد ماڈل ٹاؤن لاہور میں خطیب حضرت لالہ جی علیہ الرحمۃ کا ایک کفش بردار خادم تھا۔ محمد نواز شریف نے اپنے اقتدار میں آنے سے پہلے نفاذ شریعت کو اپنا منشور قرار دیا تھا اور دینی جماعتوں نے اپنے اپنے تحفظات کے ساتھ اس کا ساتھ بھی تنفیذ دین کی شرط کے ساتھ ہی دیا تھا۔۔۔۔ حضرت لالہ جی کو پتہ چلا کہ وزیر اعظم ہر جمعۃ المبارک تقریباً اتفاق مسجد ہی میں ادا کرتا ہے۔۔۔۔ آپ نے اپنے غلام خطیب کو بلا بھیجا، ملاقات حضرت لالہ جی قدس سرہ العزیز کے دولت کدہ پر ہوئی، وقت تقریباً چاشت کا تھا۔ لالہ جی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے آپ کے سر پر وقار کی ایک چادر تنی ہو، دھیمے دھیمے اور نرم نرم انداز میں آپ نے گفتگو شروع فرمائی۔۔۔۔ الفاظ میں وجد آفرینی اپنی انتہا پر تھی۔۔۔۔ ایک ایک بول قلبی اطمینان کا عکاس تھا۔ کھڑکی اور روزن سے روشنیوں کا متانہ وار قافلہ حجرہ کے اندر حلہ بول رہا تھا۔ آپ نہایت دلکش انداز میں خطیب سے پوچھ رہے تھے:

"مولانا صاحب! وزیر اعظم تمہاری اقتداء میں نماز پڑھتا ہے سناؤ تمہاری اپنی نمازوں پر کیا گزرتی ہے۔۔۔۔"

خطیب نے عرض کی

قبلہ! عبداللہ بن مبارک سے پوچھا گیا کہ انسان کون ہیں؟" انہوں نے جواب دیا "علماء" پھر آپ سے پوچھا گیا "بادشاہ کون ہیں؟" انہوں نے جواب دیا "جو دنیا سے بے رغبت ہوں"۔ سوال کیا گیا کمینہ کون ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: جو اپنا دین بیچ کھائے۔۔۔"

آپ نے جو ذکر اور یاد کی مستی سینے میں پیدا کی ہے اس کے ہوتے ہوئے کسی بادشاہ یا وزیر اعظم کا خیال نماز میں پریشان نہیں کر سکتا۔ بے دل نے کیا خوب کہا تھا:

دنیا اگر دہند نہ خیزم زجائے خویش
بستہ کنم حنائے قناعت بہ پائے خویش

لالہ جی قدس سرہ العزیز فرمانے لگے:

"اہل دین سے ملاقات ایمان کو قوی کرتی ہے۔ علماء کی مجلس فکری اور اعتقادی اصلاح کا سبب ہوتی ہے۔ صالحین کی صحبت ایمان و ایقان پر استقامت کا موجب ہوتی ہے اور اہل دنیا سے ملاقات ضعف عمل اور انتشار طبعی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ ان سے محبت ایمان کی بربادی اور ان کی صحبت افلاس سیرت کا باعث ہوتی ہے۔ وزیر اعظم تم سے ملاقات کرے تو اسے دین کی راہ پر ڈال کر اس کی خیر خواہی کرو اور وہ اگر تم سے نہ ملے تو تم خود اس سے ملاقات کی خواہش نہ رکھو وگرنہ تمہارا ایمان برباد ہو جائے گا۔۔۔۔۔"

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بہت سے بادشاہ فقراء کا قرب چاہنے پر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے اور بہت سے فقراء بادشاہوں کا قرب چاہنے کی بنا پر دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے۔

حضرت لالہ جی علیہ الرحمۃ نے اپنا واقعہ خود سنایا کہ ایک بار مانسہرہ کے ایس ایس پی نے مجھے بلا بھیجا اور کہا کہ وہ شدت سے ملاقات کا متمنی ہے۔ میں نے پیغام بھیجا کہ اگر کوئی شرعی اور قانونی نالش ہو تو میں حاضر ہو جاؤں گا وگرنہ مجھے معذور رکھا جائے۔ ایس ایس پی نے فون پر کہا کہ آپ کے ساتھ میری ملاقات میری اصلاح کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ لالہ جی نے فرمایا کہ تمہارے ساتھ مل کر میں بھی تو خراب ہو سکتا ہوں، اس لیے میرا وہاں آنا محال ہے۔

خطیب شہر کا مذہب ہے بیعت سلطاں
ترے لہو کو کریں گے سلام ہم جیسے

خطیب اوگی سے رخصت ہوا۔۔۔۔!

مضمحل۔۔۔!!

منفعل۔۔۔!!

محراب میں جیسے کسی نے آئینے آویزاں کر دیے ہوں۔

شرمندگیاں برسنے لگیں اور ملامتیں اگنے لگیں۔

فقر غیور نے روح پژمردہ کو آواز دی۔

گرومت۔۔۔۔۔!!

اٹھ کھڑے ہو۔۔۔۔!! دشت وفا میں سرگرم سفر ہو۔

ایمان کی نمو۔۔۔!! عرفان کی آبرو۔۔۔۔۔!! فقراء کی دہلیز ہے!!

اس کی طرف بڑھتے رہو اور عقیدت سے اسے چومتے رہو اللہ ہی اللہ!!!

وزیر اعظم تم سے ملاقات کرے تو اسے دین کی راہ پر ڈال کر اس کی خیر خواہی کرو

سیدالشہداء حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ

غازۂ روئے صداقت ہے شہادت تیری
مایۂ خون پیمبر ہے شجاعت تیری
حاملِ خلق محمد ہے شرافت تیری
حاصلِ بنتِ پیمبر ہے نجابت تیری
کیوں نہ ہو سینۂ عشق میں الفت تیری
یادگار دل احمد ہے محبت تیری
نازشِ حیدرِ کرار شجاعت تیری
سرخیٔ عارضِ اسلام صداقت تیری
جب سے لب ہوئے محمد نے تمہیں چوما ہے
خاکِ پا چومتی ہے عرش کی رفعت تیری
تیرے جلووں کی قسم اہلِ نظر کے نزدیک
دیدۂ دل کی ہے معراج زیارت تیری
نازشِ یوسف و داؤد ہے تقویٰ تیرا
حاملِ فقرِ محمد ہے قناعت تیری
مظہرِ حسنِ ازل کیوں نہ ہو نقشہ تیرا
صورتِ احمدِ مختار ہے صورت تیری
مرکبِ ناز بنا دوشِ پیمبر تیرا
سرنگوں عرش بھی ہے دیکھ کے رفعت تیری
شانِ تطہیر ہوئی تیری بہا کی ضامن
گوہرِ درجِ نبوت پہ ہے قیمت تیری
اے گلِ باغِ رسالت مجھے تیری ہی قسم
زلفِ یٰسین سے ماخوذ ہے نکہت تیری
تیری خاطر سے ہوا سجدہ نبوت کا طویل
کس قدر حق کو بھی منظور ہے راحت تیری
بوسہ گاہِ لبِ احمد ہے ترا روئے حسین
سجدہ گاہِ دلِ عشاق ہے تربت تیری
فیض مضطر بھی ہے اک چاہنے والا تیرا
حشر میں اس کا سہارا ہے عنایت تیری

سید فیض الحسن شاہ آلومہار شریف

انتظارِ حسین

ابد قرار ہے اعزازِ اقتدارِ حسین!
زہے کمالِ حسین و زہے وقارِ حسین
جہانِ حسن میں قائم ہے یادگارِ حسین
خدا گواہ خدائی ہے سو گوارِ حسین
وقارِ ملت بر حق ہے جاں نثارِ حسین
ہے فتح ونصرت اسلام یادگارِ حسین
بہارِ گلشنِ کونین ہے نثارِ حسین
جناں بدوش ہے گلزار پُر بہار حسین
لہو میں ڈوبے ہیں عون و محمد و اکبر
ہے سرخ خون کی بارش سے لالہ زار حسین
تجلیاتِ رسالت کا ہے جناں میں ظہور
چراغ طور ہے شمع سر مزار حسین
پھر آج ملت حق پر ہے یورش باطل
ہے کائنات کو پھر آج انتظار حسین
ہوئے محبتِ اسلام میں شہید امام
سقر بدوش ہیں اعدائے نابکارِ حسین
متاعِ زہد سے گو بے نیاز ہوں ہاشم
مجھے ہے ناز کہ ہوں منقبت نگارِ حسین

ہاشم ضیائی

دشمن اہل بیت مروان بن الحکم

علامہ محمد ارشد

"مروان" کون تھا؟

کچھ عرصہ قبل پاکستان کے ایک مفتی صاحب سے مروان کے بارے میں ایک سوال پوچھا گیا کہ "مروان اور اس کے باپ کو نبی کریم ﷺ کے دور میں مدینہ سے کیوں نکالا گیا"؟ اس سوال کے جواب میں مفتی صاحب نے قبیلہ بنوامیہ کے اس فرد کے ساتھ جس عقیدت اور احترام کا اظہار کیا وہ میرے لیے بہت حیران کن تھا۔ اس دور میں لوگوں کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے کہ ایک ایک کر کے اُن تمام لوگوں کو کلین چِٹ دی جائے جنہوں نے اہل بیت اطہار کے ساتھ اچھا سلوک روا نہ رکھا تھا۔

چونکہ اس جواب میں حقائق کو چھپانے کی کوشش کی گئی تھی اس لیے ضروری سمجھا کہ مروان کی حقیقت عوام کے سامنے لائی جائے، تاکہ لوگ ہر اس شخص اور جماعت سے کنارہ کشی اختیار کریں جو اہل بیت اطہار کے دشمنوں کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرتے ہیں۔

یہی سوال ایک دفعہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی سے بھی پوچھا گیا ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"اہل بیت کی محبت فرائض ایمان سے ہے نہ کہ لوازم سنت، اور محبتِ اہل بیت سے (یہ بات بھی) ہے کہ مروان علیہ اللعنت کو بُرا کہنا چاہیے اور اُس سے دل سے بے زار رہنا چاہیے، علی الخصوص اس نے نہایت بد سلوکی کی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے ساتھ اور کامل عداوت ان حضرات سے رکھتا تھا۔ اس خیال سے اس شیطان سے نہایت ہی بے زار رہنا چاہیے" (فتاوی عزیزی: صفحہ نمبر 250)

(یاد رہے! فتاوی رضویہ میں شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی کتابوں کے کئی حوالہ جات موجود ہیں)

قارئین کرام!

خود نتیجہ اخذ کریں کہ جو لوگ مروان سے عقیدت اور احترام کا رشتہ رکھتے ہیں وہ کیسے لوگ ہوں گے؟ اس پُرفتن دور میں بہت زیادہ محتاط ہو کر زندگی بسر کرنے کی ضرورت ہے۔ آج کے دور میں اندھی تقلید انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتی۔ یہ اس اندھی تقلید کے ہی شاخسانے ہیں کہ مذہبی اور سیاسی رہنما، اندھی تقلید کرنے والوں کو اپنے ذاتی مقاصد کے خاطر استعمال کرتے نظر آتے ہیں اور حقائق کو توڑ موڑ کر پیش کرتے ہیں۔ غلطی یقیناً عوام کی بھی ہے جو آنکھیں بند کر کے ان سیاسی اور مذہبی لیڈرز کی ہر بات کو سچ مانتے چلے جاتے ہیں اور جو ان لوگوں کی حقیقت عوام کے سامنے لاتا ہے یہ لوگ اس کو غدار اور دین فروش کہنے سے بھی باز نہیں آتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے شر سے امت کو محفوظ فرمائے۔ آمین

"مروان کی حقیقت"

حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا اسے رسول پاک ﷺ کے پاس لایا جاتا اور آپ ﷺ اس کے لیے دعا فرماتے، جب مروان بن حکم کو لایا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ وزغ بن وزغ ہے (وزغ چھپکلی کو کہتے ہیں) یہ ملعون بن ملعون (لعنتی کا بیٹا لعنتی) ہے۔ امام حاکم نے اس روایت کی سند کو صحیح کہا ہے۔

(مستدرک: 8477، الفتن لنعیم: 317)

ایک دفعہ مروان کی گالیوں کے جواب میں، "امام حسن رضی اللہ عنہ بھی غضبناک ہوئے اور فرمایا "کیا تم کہتے ہو کہ اہل بیت لعنتی ہیں؟ اللہ کی قسم، اللہ نے تم پر اس وقت لعنت کی تھی جب تم اپنے باپ کی پشت میں تھے۔ (صحیح الاسناد)

(المطالب العالیہ: 4455)

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی اسی بات کی طرف اس وقت اشارہ فرمایا جب مروان نے حضرت عبد الرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کے بارے میں کچھ کہا تھا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"اے مروان تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہارے باپ پر اس وقت لعنت کی تھی جب تم اس کی پشت میں تھے۔ (اسد الغابہ)

حضرت نافع بن جبیر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے تو حکم (مروان کا باپ) گزرا (اسے دیکھ کر) نبی کریم ﷺ نے فرمایا اس کی پیٹھ میں جو بچہ ہے اس کی وجہ سے میری امت کی ہلاکت ہے۔ (اسد الغابہ)

مروان بن حکم لعنتی، تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے چچا کا بیٹا تھا۔ رسول پاک ﷺ کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا۔ کہا گیا ہے کہ دو ہجری میں پیدا ہوا۔ امام مالک نے کہا کہ غزوہ احد کے دن پیدا ہوا اور غزوہ خندق کے دن کا قول بھی ملتا ہے۔ ایک قول کے مطابق مکہ میں پیدا ہوا اور دوسرے قول کے مطابق طائف میں پیدا ہوا۔ (اسد الغابہ)

رسول پاک ﷺ کی زیارت سے محروم رہا کیونکہ بچپن میں سن شعور تک پہنچنے سے قبل ہی طائف کی طرف چلا گیا تھا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے مروان کے باپ حکم کو مدینہ سے نکال دیا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک مروان اپنے باپ کے ساتھ طائف میں رہا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں ان دونوں باپ بیٹا کو واپس مدینہ بلا لیا اور مروان کو اپنا سیکرٹری بنا لیا۔ (اسد الغابہ)

ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا اور کہا خدا تمہیں ذلیل کرے تو اور تیری اولاد امت مسلمہ کی ہلاکت کا ذریعہ ہے، مروان کو باطل کا دھاگہ (رسی) کہا جاتا ہے (اسد الغابہ)

نبی کریم ﷺ نے حکم پر لعنت کیوں فرمائی اور اس کو شہر سے باہر کیوں نکالا اس بارے میں ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ رسول کریم ﷺ کی نقلیں اتارا کرتا تھا اور دوسری روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کے گھر کے باہر سے چھپ چھپ کر باتیں سنتا تھا اور دروازے سے نبی کریم ﷺ کی پرائیویٹ باتیں دیکھنے کی کوشش کرتا تھا (نعوذ باللہ) (اسد الغابہ)

مروان وہ انسان ہے جو عورتوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ (اسد الغابہ)

مروان لعنتی کا بغض حسنین کریمین علیہما السلام

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب مرض الموت میں سخت بیمار ہوئے تو مروان ان سے ملنے آیا

فقال مروان لابی هريرة ما وجدت عليک فی شئی منذ اصطحبنا الا فی حبک الحسن والحسين

مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا جب سے ہم اکٹھے ہوئے ہیں میں نے آپ میں حسن وحسین علیہما السلام کی محبت کے علاوہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں پائی۔

(اس کی یہ بات سن کر بیماری کے باوجود) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ایک دن ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ نکلے۔ ہم راستے میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے حسنین کریمین علیہما السلام کے رونے کی آواز سنی، پس آپ ﷺ نے تیز چلنا شروع کر دیا یہاں تک کہ ان کے پاس پہنچے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ آپ ﷺ پوچھ رہے تھے کہ میرے بیٹوں کو کیا ہوا تو سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا فرمانے لگیں کہ پیاس کی وجہ سے رو رہے ہیں تو رسول اللہ ﷺ ایک پرانی مشک کی طرف پانی لینے کے لیے متوجہ ہوئے، ان دنوں میں پانی کم تھا اور لوگ پانی کی تلاش میں تھے۔ آپ ﷺ نے پکار کر کہا کیا تم میں سے کسی کے پاس پانی ہے، آپ ﷺ کی بات سن کر ہر شخص نے اپنی مشک میں سے پانی تلاش کرنے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا مگر کسی کو ایک قطرہ بھی نہ ملا۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا اے فاطمہ ان میں سے ایک (بیٹے) کو مجھے پکڑاؤ تو انہوں نے پردہ کے نیچے سے ایک بچہ آپ کو پکڑا دیا۔ جب انہوں نے بچہ پکڑایا تو آپ ﷺ نے اس بچے کو پکڑ کر اپنے سینے سے چمٹا لیا اور وہ رو رہا تھا چپ نہیں کر رہا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنی زبان نکالی تو بچہ زبان چوسنے لگا اور اس طرح وہ بچہ چپ ہو گیا۔ دوسرا بچہ اسی طرح رو رہا تھا چپ نہیں ہوتا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا دوسرا بچہ بھی مجھے پکڑاؤ تو انہوں نے وہ دوسرا بچہ بھی آپ کو پکڑا دیا، تو آپ ﷺ نے پہلے بچے کی طرح کیا تو اب دونوں بچے چپ ہو گئے، میں نے پھر ان کے رونے کی آواز نہیں سنی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے (مروان لعین) سے کہا کہ میں حسنین کریمین سے پیار کیوں نہ کروں جبکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح (ان سے پیار کرتے ہوئے) دیکھا ہو۔ (المعجم الکبیر: 2656)

پہلی قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیمار ہونے کے باوجود سیدھے ہو کر بیٹھ گئے یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ جن ہستیوں کا ذکر کرنے لگا ہوں ان کے مقام کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے ذکر کے لیے اسی طرح باادب ہو کر بیٹھا جائے۔

دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ جس مروان لعین کو حسنین کریمین علیہما السلام کی محبت قابل اعتراض چیز لگتی ہو، اس لعین کے ساتھ عقیدت واحترام رکھنے والے یقیناً لعنت میں بھی اس کے ساتھ شریک ہوں گے۔

نمازِ عید سے قبل خطبہ دینے کی بدعت شروع کرنے والا مروان لعین

پہلا شخص جس نے عید والے دن، نماز عید سے پہلے خطبہ دینے کا رواج ڈالا وہ مروان بن حکم تھا۔ اس کو کسی نے کہا کہ یہ کیا طریقہ ہے کہ نماز سے پہلے ہی خطبہ، تو اس نے جواب دیا، اے ابو فلاں! اب وہ (پرانے) طریقے ختم کر دیے گئے ہیں۔

(مسند احمد: 11514)

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے لیے تشریف لاتے تو آپ سب سے پہلے نماز پڑھتے، جب آپ نماز پڑھ لیتے تو آپ کھڑے ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے، جبکہ لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے ہوتے تھے، اگر آپ ﷺ نے کوئی لشکر بھیجنا ہوتا تو لوگوں سے اس کا تذکرہ فرماتے، یا اس کے علاوہ کوئی اور ضرورت ہوتی تو آپ اس کے متعلق انہیں حکم فرماتے، آپ ﷺ فرماتے:

"صدقہ کرو، صدقہ کرو، صدقہ کرو۔"

اور خواتین سب سے زیادہ صدقہ کیا کرتی تھیں، پھر آپ ﷺ گھر تشریف لے جاتے، یہ معمول ایسے ہی رہا حتیٰ کہ مروان بن حکم کا دور حکومت آیا تو میں مروان کی کمر پر ہاتھ رکھ کر نماز عید کے لیے روانہ ہوا حتیٰ کہ ہم عید گاہ پہنچ گئے، وہاں دیکھا کہ کثیر بن صلت نے گارے اور اینٹوں سے ایک منبر تیار کر رکھا تھا، مروان مجھ سے اپنا ہاتھ کھینچ رہا تھا گویا وہ مجھے منبر کی طرف لے جانا چاہتا تھا جبکہ میں اسے نماز کی طرف لانا چاہتا تھا، جب میں نے اس کا یہ عزم دیکھا تو میں نے کہا: نماز سے ابتدا کرنا کہاں چلا گیا؟ (یعنی پہلے نماز پڑھنا پھر خطبہ دینا) اس نے کہا: نہیں، ابو سعید! جو طریقہ آپ جانتے ہیں وہ طریقہ متروک ہو چکا، میں نے کہا: ہرگز نہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میرے علم کے مطابق تم خیر و بھلائی پر نہیں ہو، انہوں نے تین مرتبہ ایسے ہی فرمایا پھر وہ منبر سے دور چلے گئے۔

(مشکوۃ المصابیح 1452، صحیح بخاری 956، صحیح مسلم 2053)

رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی بدعتی کی عزت اور احترام کیا اس نے اسلام کو ڈھانے میں مدد کی۔

(شعب الایمان: 9018)

جو لوگ مروان کی عزت و احترام کرتے ہیں وہ سوچ لیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔

یہاں پر سوال یہ پیدا ہوا کہ مروان نے یہ بدعت کیوں شروع کی کہ نماز عید سے قبل ہی تقریر کرنا شروع کر دی؟

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"(حضرت معاویہ کے زمانہ میں) مروان جو مدینہ کا حاکم تھا، میں اس کے ساتھ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کی نماز کے لیے نکلا ہم جب عید گاہ پہنچے تو وہاں میں نے کثیر بن

صلت کا بنا ہوا ایک منبر دیکھا۔ جاتے ہی مروان نے چاہا کہ اس پر نماز سے پہلے (خطبہ دینے کے لیے) چڑھے اس لیے میں نے اس کا دامن پکڑ کر کھینچا، لیکن وہ جھٹک کر اوپر چڑھ گیا اور نماز سے پہلے خطبہ دیا۔ میں نے اس سے کہا کہ واللہ تم نے (نبی کریم ﷺ کی سنت کو) تبدیل کر دیا۔ مروان نے کہا کہ اے ابو سعید! اب وہ زمانہ گزر گیا جس کو تم جانتے ہو۔ ابو سعید نے کہا کہ بخدا میں جس زمانہ کو جانتا ہوں اس زمانہ سے بہتر ہے جو میں نہیں جانتا۔ مروان نے کہا کہ ان الناس لم یکونوا یجلسون لنا بعد الصلوۃ۔ لوگ نماز کے بعد ہمارا (خطبہ سننے کے) لیے نہیں بیٹھتے، اس لیے میں نے خطبہ نماز سے پہلے کر دیا ہے"۔

(صحیح بخاری:956)

مرآۃ المناجیح میں مفتی احمد یار خان نعیمی نے لکھا کہ "اس بدعت (یعنی عید کی نماز سے قبل خطبہ دینے) کا موجد مروان ہی تھا"۔

صحیح بخاری کی اس روایت میں ملعون مروان نے، عید کا خطبہ نماز سے پہلے دینے کی وجہ خود ہی بیان کر دی کہ عید کی نماز کے بعد لوگ ہمارا خطبہ سنتے ہی نہیں ہیں۔ اب اگلا سوال یہ ہے کہ بنو امیہ کے دور میں لوگوں نے خطبہ سننا کیوں چھوڑ دیا تھا؟

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے لکھا کہ: "لوگوں نے مروان کے زمانہ میں خطبہ سننا اس وجہ سے ترک کر دیا تھا کہ خطبہ میں اُن حضرات کو گالیاں دی جاتی تھیں جو گالیوں کے مستحق نہ تھے اور "بعض" لوگوں کی مدح وثنا میں مبالغہ کیا جاتا تھا" پھر لکھتے ہیں کہ "مروان نے اپنی غرض فاسد کے تحت ہمیشہ کے لیے اس کا دستور بنا لیا تھا"۔

(اشعۃ اللمعات: جلد2: صفحہ نمبر 681)

فیض الباری علی صحیح البخاری میں علامہ انور شاہ کاشمیری لکھتے ہیں:

کان یسب علیا رضی اللہ عنہ

یعنی مروان، دوران خطبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیا کرتا تھا، اس وجہ سے لوگ اس کا خطبہ سنے بغیر اٹھ جاتے تھے

قارئین کرام!

پلیز اپنے ایمان کی حفاظت کریں اور مروان سے پیار کرنے والوں کو پہچانیں اور ان سے اپنا رشتہ ختم کریں

اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ "مروان لعنتی" کی دشمنی

حضرت ابو یحیٰ روایت کرتے ہیں کہ میں امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کے پاس تھا اور مروان امام حسین رضی اللہ عنہ کو گالیاں دے رہا تھا اور امام حسن رضی اللہ عنہ، امام حسین رضی اللہ عنہ کو (جواب دینے سے) منع کر رہے تھے، مروان کو غصہ آیا اور اس نے کہا کہ اہل بیت (معاذ اللہ) لعنتی ہیں، اس (بات) پر امام حسن رضی اللہ عنہ بھی غضبناک ہوئے اور فرمایا "کیا تم کہتے ہو کہ اہل بیت لعنتی ہیں؟ اللہ کی قسم، اللہ نے تم پر اس وقت لعنت کی تھی جب تم اپنے باپ کی پشت میں تھے۔

(صحیح الاسناد) (المطالب العالیہ:4455)

اس روایت سے اگلی روایت میں لکھا ہے کہ مروان بڑی گندی گالیاں دے رہا تھا

عمیر بن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ مروان کئی سالوں تک ہمارا حکمران رہا، وہ ہر جمعہ والے دن منبر پر (دوران خطبہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیا کرتا تھا، پھر اسے معزول کر دیا گیا اور سعید بن عاص کو امیر مقرر کیا گیا تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں نہیں دیتے تھے۔ پھر ان کو بھی معزول کر کے مروان کو دوبارہ حکمران بنایا گیا۔ تو وہ (اب بھی) گالیاں دیتا تھا۔ کسی شخص نے امام حسن رضی اللہ عنہ سے گزارش کی کہ کیا آپ مروان کو سنتے نہیں کہ وہ کیا کہتا ہے؟ اور آپ اسے کوئی جواب نہیں دیتے۔ (اصل میں) امام حسن رضی اللہ عنہ جمعہ والے دن جب تشریف لاتے تو آپ نبی کریم ﷺ کے حجرہ میں داخل ہو جاتے اور (خطبہ ختم ہونے تک) وہیں پر رہتے، جب خطبہ ختم ہو جاتا تو آپ باہر تشریف لاتے اور نماز ادا کرتے اور واپس اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ جاتے۔ مروان کو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا یہ معمول ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ ایک دن اس نے امام حسن رضی اللہ عنہ کے گھر تحفہ بھیجا، میں، اس وقت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، انہیں کہا گیا کہ باہر کوئی آیا ہے، آپ نے اسے اندر آنے کی اجازت عطا فرمائی، اندر آتے ہی اس نے کہا کہ میں سلطان کی طرف سے آیا ہوں اور ایک کام کے سلسلہ میں حاضر ہوا ہوں آپ نے فرمایا بولو کیا بات ہے؟ تو اس نے کہا کہ مروان نے کہا ہے کہ (ایسے الفاظ میں بکواس کی کہ ہمیں لکھنا بھی گوارا نہیں)۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے کمال برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں (جواب میں) گالیاں دے کر تمہارے نامہ اعمال سے کچھ بھی کم نہیں کرنا چاہتا جو تم نے بکواس کی ہے۔ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کا عہد ہے۔ اگر تم سچے ہوئے تو اللہ تمہیں تمہاری سچی بات پر اجر عطا فرمائے گا اور اگر تم جھوٹے ہوئے تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ شدید انتقام لینے والا ہے۔

(المطالب العالیہ:4457)

حیرت والی بات تو بہرحال ہے کہ جس شخص کا نیک ہونا نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نظر آیا، نہ امام حسن رضی اللہ عنہ کو نظر آیا، نہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو نظر آیا اور بذات خود نبی کریم ﷺ نے اس پر لعنت فرمائی، آج کے کچھ لوگوں کو اس کا نیک ہونا نظر آ رہا ہے اور وہ مروان لعنتی کے ساتھ عقیدت کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔ مروان مسجد میں جنت کے سرداروں (اہل بیت اطہار) کو گالیاں دیتا تھا، مسجد کے تقدس کو پامال کرتا تھا اس کی معنوی اولاد آج بھی مسجد کے تقدس کو پامال کرتی ہے اور مسجد کے اندر کھڑے ہو کر محبین اہل بیت کو طعن وتشنیع کرتی ہے۔

باغ جنت کے ہیں بہر مدح خوان اہل بیت
تم کو مژدہ نار کا اے دشمنان اہل بیت

ان کی پاکی کا خدائے پاک کرتا ہے بیاں
آیۂ تطہیر سے ظاہر ہے شان اہل بیت

اہل بیت پاک سے گستاخیاں بے باکیاں
لعنت اللہ علیکم دشمنان اہل بیت

مروان، دوران خطبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیا کرتا تھا، اس وجہ سے لوگ اس کا خطبہ سنے بغیر اٹھ جاتے تھے

جنگ آزادی میں علمائے اہل سنت کا نمایاں کردار

مولانا حبیب اللہ قادری انواری

ہندوستان کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس پر تقریباً آٹھ سو سال اسلامی حکومت اپنی شان وشوکت کے ساتھ جگمگاتی رہی، اس عرصۂ دراز میں مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک مسلمانوں کے جھنڈے فضائے بسیط میں لہراتے رہے، اس طویل مدت میں ملک نے جو عروج وارتقاء کے منازل طے کیے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں، کیونکہ ملک کی محبت وعظمت کو مسلمانوں نے اپنے دل کی دھڑکنوں میں رچایا بسایا، اور اس کی محبت پر مر مٹنے کا جزبۂ صادقہ پیدا کیا۔

مسلمانوں نے جہاں صنعت وحرفت کی بدولت ملک کو خوشحال اور زرخیز بنایا وہیں اپنی علمی اور فنی لیاقت کو بروئے کار لاکر ملک کو علم وفن کا میکدہ بنایا، چنانچہ اس وقت عالمی سطح پر ہندوستان نے جو شہرت ومقبولیت اور عروج وارتقاء حاصل کی اس شہرت ومقبولیت اور تعمیر وترقی نے پوری دنیا پر گہرا اثر ڈالا، اہل کمال اور اربابِ علم وفن حضرات نے ملک ہند کی طرف اپنا رخ کیا، ہندوستان میں یکتائی اور بے نظیری کا غلغلہ اور شور بلند ہوا، اس خاکِ ہند کو افلاک کی سی بلندی نصیب ہوئی، اطرافِ ہند میں خوشحالی اور آسودگی کی لہر دوڑ گئی، باشندگان ہند امن وسکون، چین وراحت کے گہوارے میں جھولنے لگے اور ہندوستان کی دولت وثروت اکنافِ عالم میں گشت کرنے لگی۔ ہندوستان کی بدنصیبی کہ ۱۸۵۷ء میں اس چمکتے دمکتے آفتاب کو گہن لگ گیا اور سلطنت مغلیہ کے آخری چشم وچراغ بہادر شاہ ظفر کو تختِ ہند سے اتار دیا گیا، سلطان بہادر شاہ ظفر کے سلطنت سے معزولی کے بعد انتشار وخلفشار کے دروازے کھل گئے، پھر دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں حریصانہ نگاہوں سے وطن عزیز کی جانب دیکھنے لگیں چنانچہ تن کے گورے اور من کے کالے انگریزوں نے بھی اپنی شاطرانہ چال "ایسٹ انڈیا کمپنی" کے ذریعہ تجارت کے بہانے سونے کی چڑیا کہے جانے والے بھارت کو لوٹنا شروع کیا دھیرے دھیرے ۱۸۵۷ء تک حکومت کا مغز نکال کر کھوکھلا کر ڈالا، ان کم ظرفوں نے صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ہند کی حکومت پر ظالمانہ وجابرانہ طور پر قبضہ کر لیا اس طرح وطن عزیز تن کے گورے من کے کالوں (انگریزوں) کے قبضے میں چلی گئی، اور پھر ملک میں تباہی وبربادی کا تہلکا مچ گیا، چاروں جانب ظلم کے شعلے آسمانوں سے باتیں کرنے لگے، جبر وتشدد اور وحشت وبربریت کا ہولناک ودہشت انگیز مظاہرہ کیا جانے لگا، پورے ملک میں قبرستان جیسا سناٹا چھا گیا، حد تو یہ ہے کہ مسلمانوں کو سور کی کھال میں لپیٹ کر موت کے گھاٹ اتارا جانے لگا (العیاذ باللہ) فتح پوری مسجد سے لال قلعہ کے دروازے تک انسانی لاشیں درختوں پر نظر آنے لگیں اور پورے ملک میں سناٹا چھا گیا اس خوف وہراس بھرے وقت میں ضرورت پیش آئی ایک ایسی تحریک کی جو تحریک انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کرے اور ملک کو انگریزوں کے شکنجے سے آزاد کرا سکے، ملک کے باشی امن اور شانتی کے ماحول میں زندگی بسر کر سکیں، انسانوں کے خون ومال، عزت وآبرو اور جائیداد وغیرہ کی حفاظت وصیانت ہو سکے۔ بالآخر مظلوم انسانوں کی آہ وبکا اور فریاد اللہ عز وجل کی بارگاہ میں پہنچ ہی گئی اور علمائے ربانیین کو اس کی توفیق حاصل ہوئی چنانچہ بطل حریت علامہ فضل حق خیرابادی نے فتویٰ لکھا کہ "انگریزوں سے اپنے مذہب، ملک اور عزت کی حفاظت کی خاطر جہاد کرنا واجب ہو گیا" اس فتویٰ پر وقت کے اکابر علمائے کرام ومشائخ ذوی الاحترام نے دستخط فرمائے، علامہ فضل حق خیرابادی اور ان کے ہمنواؤں کے اس فتویٰ سے پورے ملک میں آزادی کی باقاعدہ لہر دوڑ گئی۔ علمائے کرام کے ساتھ عام مسلمانوں نے بھی اس جنگ آزادی میں دل وجان سے حصہ لیا۔ اور حد درجہ اذیتیں اور تکلیفیں برداشت کیں، اور ہزاروں علمائے کرام کو انگریزوں نے جوشِ انتقام میں پھانسی پر لٹکا دیا، اس وقت کے ان تمام جاں باز علماء نے مسکراتے ہوئے پھانسی کے پھندوں کو قبول کر لیا تب جاکر کہیں ۱۵ اگست ۱۹۴۷ کو ہندوستان کو آزادی ملی۔ ان میں سے اکثر وہ حضرات ہیں جو مسندِ درس پر بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے اور اپنی تحریری وتقریری تبلیغ سے اسلام کے چراغ کو روشن کیا کرتے تھے، جب ضرورت پیش آئی ملک کے لیے لڑنے کی تو اپنے ملک کی محبت کی خاطر درسگاہوں کو چھوڑ کر ننگی تلوار کے ساتھ شاملی کے میدان میں نکل آئے، انگریزوں سے ملک کو آزاد کرانے کے لیے مجاہدین آزادی کے دوش بدوش ہوکر میدان کارزار میں صف آرا ہوئے بہت سے علمائے کرام وطن سے محبت اور فتوائے جہاد کی حمایت کی وجہ سے جزیرۂ انڈومان کے کالا پانی میں زندگی کے باقی دن گذارنے پر مجبور کیے گئے، نہ جانے کتنے علمائے کرام کو پھانسی کے پھندے کو چومنا پڑا، لاکھوں کی تعداد کا وجود ختم ہو گیا، اور نہ معلوم کتنے علمائے کرام رو پوش کردیے گئے۔

اس جنگ میں علمائے کرام کی ایک بہت بڑی تعداد نے ملک کی حفاظت وصیانت کے لیے شہادت پیش کیا، جنگِ آزادی میں جن علمائے کرام نے نمایاں کردار پیش کیا ان میں حضرت علامہ فضلِ حق خیرابادی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی، حضرت مفتی صدر الدین آزردہ، مولانا لیاقت اللہ الہ آبادی، مولانا احمد اللہ مدراسی وغیرہم کے اسمائے گرامی سرِ فہرست ہے۔

بقیہ صفحہ 38 پر

آخر کب تک؟

محمد صدیق

اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ حضور ﷺ کے میلاد سے پہلے عالم انسانیت ظلم و ستم، وحشت و بربریت اور جبر و تشدد کی لپیٹ میں تھی، خاص کر عرب معاشرے کے حالات دگر گوں تھے ان کی اخلاقی گراوٹ عروج پر تھی شراب نوشی، جوا، بچیوں کو زندہ در گور کرنا اور والد کی موت کے بعد اپنی ماؤں سے رشتہ ازدواج قائم کرنا ایسی بہت سی برائیاں تھیں۔ آپ ﷺ کی آمد کے بعد دنیائے زندگی میں امن و امان رشد و ہدایت اور بقائے باہمی کے نئے دور کا آغاز ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے آپ ﷺ کے وجود اطہر سے نکلنے والی روشنی چار دانگ عالم میں پھیل گئی جس سے بھٹکی ہوئی روحوں کو سکون و ثبات کے ساتھ ساتھ ہدایت نصیب ہوئی۔

آپ ﷺ کے ذریعے ہونے والے اس عظیم اور جلیل القدر احسان کا تقاضا یہ کہ تمام انسانیت اپنے اس محسن اور مسیحا کا تذکرہ محبت و عقیدت اور ادب احترام سے کرے، ان پر درود و سلام پڑھے جیسا کہ رب کریم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (احزاب 56)

"بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی ان پر خوب اور خوب درود و سلام بھیجو"۔ (تذکرہ)

اسی طرح اللہ رب العزت نے اپنی محبت کو اپنے محبوب نبی ﷺ کی محبت واطاعت کے ساتھ جوڑ کر انسانیت پر احسان عظیم کرتے ہوئے ان کی بخشش کا اعلان فرمایا:

ارشاد ہوا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (آل عمران 31)

"فرمادو! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تمہیں محبوب بنالے گا اور بخش دے گا تمہارے گناہوں کو اور اللہ بڑا بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے"۔ (تذکرہ)

اللہ تعالی کی پیدا کردہ مخلوق کے کمال کی انتہا یہ ہے کہ وہ اللہ سے ٹوٹ کر محبت کرے اور اللہ کی ان پر عنایت یہ ہے کہ وہ بھی ان سے بے حد محبت کرتا ہے، لیکن اللہ تعالی نے اپنی محبت کی معراج پانے کے لیے تمام مخلوق کو حضرت محمد ﷺ سے محبت اور ان کی اطاعت کو واجب کر دیا۔ اب ہر مسلمان پر ضروری ہو گیا کہ وہ آپ ﷺ سے محبت کرے اور یہ محبت کس طرح اور کیسی ہو اس کا طریقہ بھی بیان کر دیا۔ فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (بخاری:15)

"کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں (محمد ﷺ) اس کے نزدیک اس کے ماں باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں"۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنی تمام محبتوں، رفاقتوں سے بالاتر ہو کر آپ ﷺ سے مودت کا رشتہ قائم نہ کرلے۔

اسی طرح آپ ﷺ کی محبت کے ساتھ ساتھ اللہ تبارک تعالی نے حضور ﷺ کی اہل بیت اطہار سے عقیدت و مودت کو بھی لازمی قرار دیا۔ حضور ﷺ نے ہم پر جو ان گنت احسانات کیے ان پر آپ ﷺ نے کوئی اجر طلب نہیں کیا، سوائے کہ اس کے کہ آپ ﷺ کی اہل بیت اطہار اور قرابت سے عقیدت و مودت قائم رکھیں۔

ارشاد باری تعالی ہوا:

قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (شوریٰ 23)

"(محبوب) فرمادو! میں اس پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا الا یہ کہ دوستی اور محبت رکھو میرے قرابت داروں کی"۔ (تذکرہ)

حضرت عبداللہ بن عباس اور دوسرے متعدد صحابہ کرام و تابعین سے مروی ہے کہ اس سے مراد حضور ﷺ کے اہل بیت ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

جب مذکورہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ:

مَنْ قَرَابَتُكَ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ وَجَبَتْ عَلَيْنَا مَوَدَّتُهُمْ؟ قَالَ: عَلِيٌّ وَفَاطِمَةُ وَابْنَاهُمَا (امام احمد بن حنبل 1141)

"اہل قرابت سے کون لوگ مراد ہیں جن کی محبت ہم پر واجب کی گئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: علی، فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹے رضی اللہ عنہم"۔

یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دریافت کرنے پر حضور ﷺ نے اس آیت مبارکہ کی خود تفسیر کی اور اُمت پر واضح فرما دیا کہ ان پر کن کن کی عقیدت و مودت واجب و فرض ہے۔

اس آیت کے یہی معنی سعید بن جبیر، ابو اسحاق، امام ترمذی، امام احمد بن حنبل، امام حاکم نے کتب احادیث اور کتب تفسیر میں کثرت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔

اہلِ بیتِ اطہار کا وجود اطہر اس دنیا اور آخرت میں امتِ مسلمہ کے لیے، بہت بڑی نعمت ہے اس بات کا اظہار حضور ﷺ کی اس بات سے ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم اسے پکڑے رکھو گے تو ہر گز گمراہ نہیں ہو گے، ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری عترت یعنی میرے اہلِ بیت ہیں یہ دونوں ہر گز جدا نہ ہوں گے، یہاں تک کہ یہ دونوں حوضِ کوثر پر میرے پاس آئیں گے''۔
(سنن ترمذی)

حضور ﷺ نے اللہ کی کتاب کے ساتھ اپنی عترت کی بات کر کے آنے والی انسانیت پر یہ عقیدہ قائم کر دیا کہ یہ دونوں عظیم نعمتیں ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں۔ میری عترت کا عالم یہ ہے کہ قرآن ان سے جدا نہیں ہے اور یہ قرآن سے جدا نہیں ہیں اور اگر تم میری اہلِ بیت سے اپنا رشتہ مضبوط رکھو گے تو تمہارا رشتہ خود بخود قرآن سے قائم ہو جائے گا۔ آپ ﷺ نے مزید وضاحت کر دی کہ قرآن اور میری اہل بیت کبھی جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ قیامت قائم نہ ہو جائے اور یہ دونوں حوضِ کوثر پر میرے ساتھ ساتھ ہوں گے ۔یعنی دنیا میں بھی ایک ساتھ اور آخرت میں بھی ایک ساتھ ہوں گے۔

حضور ﷺ کا قرآن اور اہل بیت کو ایک ساتھ جوڑنا، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن تمام علوم کا سرچشمہ ہے اور جب سب کچھ قرآن میں موجود ہے تو آپ ﷺ نے صرف قرآن کو تھامنے کا کیوں نہیں کہا اپنی عترت کو ساتھ کیوں جوڑا؟

علامہ تفتازانی شرح المقاصد میں رقمطراز ہوتے ہیں کہ :

''اس حدیث سے بخوبی استفادہ ہوتا ہے کہ اہل بیت اطہار تمام لوگوں سے افضل ہیں۔ تمہیں غور کرنا چاہیے کہ حضور ﷺ نے کس طرح ان کو کتاب اللہ کے ساتھ مقرون کیا ہے اور ان دونوں سے تمسّک کرنے سے انسان کو ضلالت اور گمراہی سے نجات مل جاتی ہے، کتاب سے تمسّک کرنے کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ بھی اس میں علم و ہدایت ہے اس کو اخذ کر لیں اور اس پر عمل کریں اور اسی طرح عترت ہے''۔

اس طرح متعدد احکام و وجوہ کی بنا پر ہر دور میں'' اہل بیت اطہار'' سے عقیدت و مودت اور ان کا ادب و احترام اکابرین اُمت کا معمول رہا ہے اور صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور جید علمائے کرام نے ہمیشہ حضور ﷺ کے اہل بیت سے عقیدت و مودت قائم رکھی بلکہ دوسروں کو بھی اس کی تلقین کی ۔لیکن اگر تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو تاریخ اسلام کے ہر دور میں ایسے لوگ یا گروہ پیدا ہوتے رہے جنہوں نے اہل بیت اطہار سے بغض اور حسد کرتے ہوئے ان پر طرح طرح کے ظلم و ستم کیے، حسین پاک، علی اصغر، عباس کے ساتھ یزید پلید نے کیا کیا؟ امام رضا کے ساتھ حاکم وقت نے کیا کیا؟ اسی طرح ان سے عقیدت و مودت رکھنے والوں سے بھی، جس نے بھی حضور ﷺ کی اہل بیت اطہار کے ساتھ عقیدت و مودت کا رشتہ قائم کیا اس کو بہت سی آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ امام ابو حنیفہ کو اہل بیت اطہار کے ساتھ وفا کی وجہ سے جیل ڈالا گیا، ابن اثیر کو چار دیواری میں بند کر دیا گیا، امام مالک کو کس جرم کی پاداش میں کوڑے مارے گئے؟

اہل بیت اطہار سے حسد، بغض اور عداوت کا ذکر متعدد روایات میں بکثرت موجود ہے ۔ تاریخ شاہد ہے کہ اہل بیت اطہار کا نام مٹانے والے خود مٹ گئے، ان کی تاریخ گندگی اور پلیدی کا ڈھیر بن گئی ایسے لوگوں کا نام لیوا کوئی نہ رہا اگر کسی کا نام لیا بھی گیا تو فقط پلیدی کی مثال پیش کرنے پر۔ اس کے برعکس اہل بیت اطہار کی عظمت کا پھریرا آسمانوں پر لہراتا رہا اور تا قیامت لہراتا رہے گا ۔جس قدر یہ لوگ اہل بیت اطہار کی عقیدت و مودت کو لوگوں کے سینوں کے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں اس قدر اہل بیت کی محبت میں شدت آتی ہے ۔نور اور ظلمت والوں کا فرق یہ ہوتا ہے کہ نور والے خود کو خاک پائے آل رسول گردانتے ہیں اور ظلمت والے آل رسول پر طعنہ زنیاں کرتے دکھائی دیتے ہیں ۔نہ جانے کب ان کی بدھی میں یہ بات آئے گی کہ روئے زمین پر اہل بیت سے زیادہ صاف ستھرا اور پاک گھرانہ کوئی اور نہیں حسب و نسب میں، فخر مباہات میں بلا شبہ یہ سب سے اعلیٰ ہیں۔

عصر حاضر میں اسی خاندان کے فرد فرید سید ریاض حسین شاہ کو بھی اسی طرح کی آزمائشوں سے گزرنا پڑ رہا ہے۔ وجہ صرف یہ کہ آپ خانوادہ رسالت مآب ﷺ کے ایک تابندہ ستارے ہیں۔ اپنے اسلاف کی طرح حق گو، بے باک، دور اندیش، صاحب خرد، صاحب نظر، فہم و فراست اور علم و فضل کے دھنی۔ آپ نے ساری زندگی اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مسلسل جدوجہد اور اُمت مسلمہ کی اصلاح کے لیے صرف کر دی۔ آپ حضور ﷺ کے فرمان (قرآن اور میری اہل بیت ساتھ ساتھ ہوں گے) کے مطابق اپنی زندگی اس فکر میں بسر کر رہے ہیں کہ کسی بھی طرح مسلمانوں کا رشتہ قرآن سے قائم ہو جائے اور وہ اپنی کھوئی ہوئی منزل دوبارہ پا لیں۔ اس سلسلے میں آپ نے دروس قرآن مجید کا دنیا بھر میں اہتمام کیا۔

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر خوگر کو پھر وسعتِ صحرا دے
(اقبال)

آپ نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا ہے کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا یہ فرض ہے حضور ﷺ کے قلب منیر پر اترنے والی مقدس کتاب کی تعلیم حاصل کریں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیں اس کتاب کو اپنے قلب و اذہان میں اتاریں تاکہ فلاح اصلاح کی راہیں ہموار ہوں۔ آپ نے ہمیشہ لوگوں کو یہ بات باور کروانے کی کوشش کی حضور ﷺ کے وصال کے بعد تعلیم کتاب و تزکیہ قلوب کی کون سی صورت باقی رہ جاتی ہے اور قیامت تک کے لیے دین کا داعی کون ہو سکتا ہے؟ حضور ﷺ نے تم کو بہترین اُمت قرار دیا ہے جس کی تشکیل ہی لوگوں کے لیے کی گئی ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو برائی سے منع کرتے ہو۔ لہذا ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم نیکی کے نظام کو پھیلائیں اور برائی کے خاتمے کے لیے اپنی مساعی بروئے کار لائیں اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو اس کا صاف مطلب ہو گا کہ ہم اپنی زندگی سے مقاصد کی تکمیل کے لیے راہِ فرار اختیار کر رہے ہیں اور ظاہر ہے ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

آپ فرماتے ہیں سخی وہ ہوتا ہے، جو کچھ عطا کرے اور دکھائی اسی کو دیتا ہے جس کی نظر سلامت ہو، خالی ہاتھ معطی نہیں بن سکتا اور بجھی شمع روشنی نہیں دے سکتی ۔مسلمان خیر اُمت جب ہی ہو سکتے ہیں کہ وہ قرآن مجید کی دولت جو خیر ہی خیر ہے نور ہی نور ہے ایمان و عمل کے لحاظ سے مفلس انسانوں میں تقسیم کریں اور یہ جب ہی ممکن ہو گا کہ مسلمانوں کے اپنے دامن اس نور سے بھرے ہوں گے۔

آپ نے ایک موقع پر فرماتے ہوئے کہا کہ "اہل قرآن" بننے کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے دل پوری طرح یہ یقین رکھتے ہوں کہ یہ کتاب خداوند قدوس کا

لاریب کلام ہے اور یہ انسانوں کا ہدایتنامہ ہے۔ایک مسلمان کو یہ یقین ہونا چاہیے کہ قرآن کے علاوہ جتنے ضابطے اور قوانین اور کتابیں ہیں وہ کامل نہیں مسلمان کے سینے میں عظمت قرآن کے نقش اس قدر گہرے ہوں کہ اللہ کی کتاب سے تعلق جنون اور شیفتگی کی صورت اختیار کرلے اور مسلمان من حیث الجماعت "تعلیم کتاب" کی اہمیت کو سمجھ لے اور عشق ومحبت کے ساتھ خود کو قرآن کے سپرد کردے۔آپ نے مزید فرمایا کہ مسلمانوں کی ذمہ داری اس لحاظ سے بھی زیادہ ہے کہ انہیں "معلم انسانیت" ہونے کا شرف حاصل ہے ۔انہی کی محنت کے نتیجہ میں انسانیت کے خزاں رسیدہ گلستان میں ایمان اور نیکی کی بہار آسکتی ہے اور یہ اس وقت ممکن ہوسکتا ہے جب ہم پوری قوت کے ساتھ قرآن مجید کو پھیلانے کا کام کریں گے اور انسانی دنیا کی ضرورت بھی اس کے سوا کوئی نہیں کہ انہیں دنیاوی حالات کا فہم بصورت قرآن کرایا جائے اور یہ بات ضرور ذہن میں رکھیں کہ قرآن ایسی کتاب ہے جس میں رطب و یابس ،یعنی سارے علوم وفنون کی اصولی تعلیم رکھ دی گئی ہے اور جس وقت ہم یہ کہتے ہیں کہ قرآنی علوم میں مہارت حاصل کی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ قرآن کو مشعل راہ بنا کر دنیا کے سارے علوم وفنون میں مہارت حاصل کی جائے اور یہی وہ راستہ ہے جس کے ذریعے آج ہم جدید دنیا کی ماڈرن سازشوں کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔

سید ریاض حسین شاہ نے ایک عظیم مصلح کی حیثیت سے مسلمانوں کی فلاح کے لیے دانش کے ساتھ مناسب وقت پر ہمیشہ مناسب فیصلہ سازی کرتے ہوئے اپنے آباواجداد کی تاریخ کو ہمیشہ زندہ رکھا۔ آپ اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ علم وحکمت کے مطابق فیصلہ سازی قوموں کی ترقی کا ضامن ہوتی ہے۔آپ نے جب ضرورت محسوس کی کہ یارسول اللہ کہنے والے اپنے تاریخ گم کررہے ہیں تو آپ نے ان کے اندر سیمابی روح بیدار کرنے کے لیے لبیک یا رسول اللہ کانفرنسز کا ملک بھر میں انعقاد کروایا ، ضرورت پڑنے پر لبیک یا رسول اللہ لانگ مارچ کا کامیاب انعقاد راولپنڈی تا کراچی کیا اور یا رسول اللہ کا آزادانہ نعرہ بلند کرنے کے لیے کروڑوں روپوں مالیت کی زمین وقف کرکے سنیوں پر احسان عظیم کرتے ہوئے ان کو ایک پلیٹ فارم مہیا کیا ، جب محسوس کیا کہ یہودیت گہری سازشوں اور مختلف ہتھکنڈوں کے ذریعے مسلمان ممالک کو معاشی اور اجتماعی طور پر کمزور کرنے کے لیے اور ان میں خوف و ہراس پیدا کر کے ان کی مسجدوں اور مقدس مقامات کو ویران کرنے کے لیے کرونا ایسی وبائی امراض کو پھیلانے میں مصروف عمل ہیں جس کے نتیجہ میں مسلمان حکومتوں نے جمعہ کا خطبہ دینے پر پابندی عائد کر دی تو آپ نے اس موقع پر حکمت کے ساتھ مسجدوں اور گھروں میں لکھ کر خطبے تقسیم کرنے کا اہتمام کیا اور جہاں تک ممکن ہوا یہودی کی سازش کو ناکام بنانے کے لیے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اس بیماری کا خوف مسلمانوں کے دلوں سے نکالا۔اس کے ساتھ ساتھ جب آپ نے دیکھا کہ یہودی کہیں اپنے مسیحا (دجال) کے آنے کا جشن منا رہے ہیں اور کہیں مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے یہ کہہ رہے ہیں

Khaybar was your last chance

تو آپ نے ان کے سدِ باب کے لیے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے نعرہ حیدری بلند کیا جس کی صدا پوری دنیا میں سنی گئی ،اس کے نتیجے میں اہل کفر نے آپ کے بیرون ملک تبلیغی دوروں پر پابندیاں عائد کردیں۔

حَیف صد حَیف آپ کی قوم کے لیے دی گئی ان گنت قربانیوں پر ہدیہ سپاس پیش کرنے کی بجائے آپ کو بھی حسبِ روایت رافضی اور شیعہ ہونے کے طعنے اور۔۔۔۔۔ نہ جانے کیا کیا کہا جا رہا ہے۔سوال تو بنتا ہے! کہ ایک انسان نے ساری زندگی آپ کی بہتری کے لیے وقف کردی ان کی قربانیوں کا اعتراف کرنے کی بجائے آپ نے اس کو بدلے میں کیا دیا؟ نہ جانے کیوں اہل بیت اطہار سے بغض وعناد اور حسد کی آگ ٹھنڈی ہونے کا نام ہی نہیں لیتی ؟ بس ایک فرقہ کی ضد میں ہم نے اپنی تحریرو ں اور تقریروں میں اہل بیت اطہار سے عقیدت ومودت کا رشتہ ترک کردیا کہ کوئی ہمیں رافضی یا شیعہ نہ کہہ دے؟ اور افراط وتفریط سے کام لیتے ہوئے صرف ان کے سپرد کردیا اور ان سے لاتعلقی کرلی ،ان کی عظمتوں اور شان وشوکت کے قصیدے پڑھنے کی بجائے ان میں عیب اور خطا تلاش کرنے لگ گئے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو فراموش کردیا۔

أَحِبُّوا اللهَ لِمَا يَغْذُوكُمْ مِنْ نِعَمِهِ، وَأَحِبُّونِي بِحُبِّ اللهِ عزوجل، وَأَحِبُّوا أَهْلَ بَيْتِي لِحُبِّي (الترمذی)

"اللہ تعالیٰ سے محبت کرو ان نعمتوں کی وجہ سے جو اس نے تمہیں عطا فرمائیں اور مجھ سے محبت کرو اللہ کی محبت کے سبب اور میرے اہل بیت سے میری محبت کی وجہ سے محبت کرو"۔

علم وعرفاں کے تابندہ ستارے سید ریاض حسین شاہ کے الفاظ کتنے حوصلہ افزا اور توانائی بخش ہیں:

"وہ لوگ جنہوں نے صبح کے اجالے بانٹنے ہوتے ہیں،قرآن کی رحمتیں تقسیم کرنی ہوتی ہیں اور حقائق کے قلعوں کی حفاظت اور چوکی کا نظام مضبوط کرنا ہوتا ہے وہ کم حوصلہ نہیں ہوتے ۔وہ جانتے ہیں کہ دنیا میں ایسے بے وقوف اور احمق لوگوں کی کمی نہیں ہوتی ،ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو کائنات کے پالن ہار کو بھی وحدہ لاشریک تسلیم نہیں کرتے ۔ان کی زبانیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں بھی ہفوات بکتی رہتی ہیں۔اس دنیا میں لوگوں نے محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں چھوڑا۔صحابہ کو بھی سبّ وشتم کیا،اہل بیت اطہار کے حضور گستاخیاں کیں۔ہم اور تم تنقید اور سبّ سے کیسے بچ سکتے ہیں جب تک آپ لوگوں کے اندر صلاحیت کے نور کے ساتھ رہ رہے ہیں لوگ آپ کو برباد کرنے کے منصوبے بناتے رہیں گے۔ہاں اس وقت تک جب تک آپ زمین میں سما نہ جائیں یا آسمان پر چڑھ جائیں اور اس طرح ان کی نظروں سے دور ہوجائیں"۔

(آتش حروف)

آؤ ضمیر زندہ کرتے ہوئے قرآن کی آیت پر غور کرتے ہوئے:

أَتَىٰ أَمْرُ اللَّهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ (النحل)

اللہ کا فیصلہ قریب آگیا ہے سوتم اس کے بارے میں جلدی نہ کرو۔ (تذکرہ)

یاس نگر میں امیدوں کا رتن دیپ

حافظ شیخ محمد قاسم

عبداللہ ابن مبارک ﷺ حج کے لئے تشریف لے گئے اور ایک رات حطیم کعبہ میں محو استراحت ہوئے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابن مبارک جب تم بغداد سے واپس ہوتو وہاں ایک مجوسی ''بہرام'' رہتا ہے اسے میرا اسلام کہنا اور کہنا اللہ تم پر راضی ہے۔''

حضرت عبداللہ ابن مبارک ﷺ فرماتے ہیں:

میں نیند سے بیدار ہوا اور لاحول پڑھی اور اسے وہم گمان کیا۔ وضو کیا نماز پڑھی اور قبلہ عتیق سے لپٹ گیا دوبارہ نیند کا غلبہ ہوا کہ حضور ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ ﷺ نے اپنا فرمان دوہرایا۔ سہ بار ایسا ہی ہوا۔ حج سے فارغ ہوا اور بغداد آمد ہوئی۔ روحانی نشان دہی کے مطابق محلہ تلاش کیا اور بہرام مجوسی کے گھر پہنچ گیا۔ وہ ایک بوڑھا اور کمزور آدمی تھا۔ میں نے پوچھا کیا تمھارے پاس کوئی نیکی بھی ہے۔ اس نے جواب دیا ''ہاں'' میں نے پوچھا وہ کون سی؟ کہنے لگا میری چار بیٹیاں تھیں اور چار ہی بیٹے تھے۔ میں نے انہیں آپس ہی میں بیاہ دیا۔ میں نے کہا ''یہ تو تم نے حرام کام کیا ہے۔''

کیا اس کے سوا کوئی اور نیکی ہے؟ کہا ہاں میری ایک اور خوبصورت لڑکی تھی اس کا بھی کوئی کفو نہیں تھا میں نے خود ہی اس سے شادی کر لی اور ولیمہ میں ایک ہزار مجوسیوں کو دعوت کھلائی۔ حضرت عبد اللہ ابن مبارک ﷺ فرمانے لگے ''یہ تو تم نے پہلے سے بھی برا کام کیا ہے''۔

میں نے کہا کوئی اور نیکی کا کام بھی تو نے کبھی کیا ہے؟

وہ کہنے لگا ہاں جب میں اپنی بیٹی کے پاس سونے کے لئے گیا تو ایک مسلمان عورت چراغ کے لئے آگ لینے میرے گھر داخل ہوئی میں نے اسے چراغ روشن کر کے دے دیا۔ پھر وہ دوبارہ آئی اور پھر کئی بار، میں نے ہر مرتبہ چراغ روشن کر کے دے دیا۔ میں سوچنے لگ گیا ہو سکتا ہے یہ عورت چوروں کی جاسوس ہو اور میرے حال کا جائزہ لینے کے لیے بار بار آتی ہو۔ چنانچہ میں نے اس کا تعاقب کیا تا کہ دیکھوں یہ کس کو باتیں بتاتی ہے میں اس کے گھر داخل ہو گیا وہ اپنی بچیوں کے پاس گئی۔ بیٹیوں نے بے تابی سے پوچھا کیا تم ہمارے لیے کچھ لائی ہو یا نہیں۔ بھوک سے ہماری جان نکل رہی ہے اب ہم سے صبر نہیں ہوسکتا۔

آنسو نکل پڑے اور رو کر کہنے لگی:

''مجھے رب سے شرم آتی ہے کہ میں اس کے سوا کسی سے مانگوں خاص کر اس کے دشمن بہرام مجوسی سے سوال کروں ہرگز ایسا نہ ہوگا۔''

بہرام مجوسی کہتا ہے کہ میں فوراً گھر آیا اور ایک بڑا طشت اشیاء سے بھر کر لے گیا عبد اللہ ابن مبارک ﷺ فرماتے ہیں میں نے کہا ''بہرام تمہیں مبارک ہو یہی نیکی ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا آپ نے تجھے سلام دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اللہ تم پر راضی ہے۔''

بہرام نے فوراً کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گیا اور اسی وقت جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ عبداللہ ابن مبارک نے انہیں غسل دیا اور ان پر نماز پڑھی اور خود اپنے ہاتھوں سے دفن فرمایا۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک ﷺ فرمایا کرتے تھے:

''لوگو! تم سخاوت کیا کرو
یہ وہ خصلت ہے جو سخت
سے سخت دشمن کو دوست
بنا دیتی ہے''۔

(جامع المعجزات)

میں اپنے کمرے میں بیٹھا ''جامع المعجزات'' سے یہ واقعہ پڑھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ میں یاس نگر کے رتن دیپ سے روشنی حاصل کروں کیا آپ نے بھی یہ واقعہ پڑھا ہے؟ اٹھا اور حاجب سے پوچھا شاہ جی کہاں ہیں؟ اس نے دروازہ سے کپڑا ہٹایا تو شاہ جی لائبریری میں بیٹھے مطالعہ فرما رہے تھے۔ دست بوسی کی تو شاہ جی نے پوچھا ''کیا نو بج چکے ہیں''؟ عرض کی جی ہاں۔ آپ فرمانے لگے: کیا ممکن ہے اس وقت رات میں بیس کلو دودھ مل جائے؟ عثمان ندیم میرے ساتھ موجود تھے فرمایا مل جائے گا۔ حافظ زبیر اعوان سے فون پر آپ نے پوچھا ہری پور سے دس پندرہ کلو جلیبیاں مل جائیں گی؟ ہم نہ جان سکے حافظ صاحب نے جواباً کیا فرمایا البتہ عثمان ندیم نے کہا جلیبیاں بھی یہیں سے مل جائیں گی۔ شاہ جی نے حکم دیا دونوں گاڑیاں تیار کرو اور دودھ جلیبیاں گاڑیوں میں رکھو پندرہ منٹ بعد ہم ''کوٹنالی'' روانہ ہو جائیں گے۔

ہم گاڑیوں میں بیٹھے تو میں نے غور سے شاہ جی کا چہرہ دیکھا ایک مغموم سی مسکراہٹ لبوں پر محسوس کی اور دیکھا کہ شاہ جی موٹے موٹے آنسوؤں سے رو رہے ہیں۔ جیسے ماضی کے کسی حادثے نے آپ کو پریشان کر رکھا ہے۔ برہان موٹروے سے نیچے اترے تو میں نے سکوت کا ماحول توڑنے کے لئے عرض کی نیند کا غلبہ ہے اگر اجازت ہو تو چائے پی لوں۔ آپ نے فرمایا ''میری نشست پر آ جاؤ میں خود گاڑی چلا لیتا ہوں''۔

میں نے روایتی انداز میں جھر جھری لی اور عرض کی ''اب میں بالکل ٹھیک ہوں آپ کی شفقت آب گفتگو نے ساری تھکاوٹ دور کر دی ہے۔ انشاء اللہ گاڑی چلانے میں غفلت نہیں ہوگی۔۔۔

ہری پور پہنچے تو علامہ بشیر القادری، حافظ محمد زبیر اور جاوید خان پہلے سے ہمارے انتظار میں بیٹھے تھے تھوڑی دیر میں اشتیاق بھائی تو آ گئے مگر عدیل خان نہ آ سکے۔ غالب گمان ہے آغا صاحب بھی ساتھ تھے۔ ایک گھنٹہ کے سفر کے بعد ہم کوٹنالی ایک ٹیلے سے نیچے اتر کر ادارہ کے کشادہ صحن میں کھڑے تھے رات کی چاندنی، برہنہ پہاڑیاں، ٹھٹھرتی فضا سوالیہ نشان بن رہی تھیں۔

ایک بجے رات شاہ جی کس لیے تشریف لائے ہیں؟

عقدہ کھلا شاہ جی نے سید عمران شاہ صاحب کو فرمایا:

''ادارہ میں پڑھنے والے نادار، غریب اور مسافر بچے میری محبت میں اٹھ کھڑے ہوئے ہیں از راہ مہربانی انہیں دودھ پلایئے اور جلیبیاں کھلایئے۔ میں اتنے دور سے صرف ان کے لیے آیا ہوں''۔

بچے دودھ پینے لگے اور رات ایک بجے مسجد میں محفل ذکر ہوئی اور ہم تقریباً 1:20 پر واپس راولپنڈی کے لیے روانہ ہوئے۔

واپسی پر ہم تو شاہ جی کے ماضی میں کھو گئے۔ گاؤں کا سفر اچھا لگا۔ دودھ جلیبیوں کا ذائقہ رس گھولتا رہا۔ کبھی کبھی خیال پتنگ بن کر کوٹنالی کی فضاؤں میں اڑنے لگتا۔ شاہ جی کے بچپن کے دن دعوت بن کر آواز دیتے آؤ، دہقانوں کی کسی بستی میں آباد ہوتے ہیں۔ یہاں کی سادہ سی صبحیں اور شامیں کتنے خوبصورت ہیرے تراشتی ہیں۔

راولپنڈی پہنچے تو شاہ جی نے تحکمانہ لہجے میں فرمایا جلدی کرو مجھے آرام کرنا ہے۔ چند دقیقے ہی گزرے تھے کہ آپ اپنی آرام گاہ میں تشریف لے گئے۔ آپ کا ہم راز کہتا ہے کہ شاہ جی بستر پر گئے اور فرمانے لگے ہوا میں غیر معمولی ملائمت ہے لگتا ہے جیسے بہار میرے کمرے میں کسی روزن سے جھانک رہی ہو۔ شاہ جی پندرہ منٹ بھی نہیں گذرے تھے کہ گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور بے ساختہ زبان پر اللہ اکبر۔۔۔ اللہ اکبر پاکیزہ کلمات جاری ہوگئے اور بلا اختیار آپ رونے لگ گئے میری صبح کی نماز ضائع ہوگئی میری صبح کی نماز ضائع ہوگئی، اللہ کے نیک بندے مجھے جگایا کیوں نہیں، میرا سارا کمرہ روشنی سے بھر گیا ہے خادم نے عرض کی شاہ جی ابھی تو رات کے صرف تین پچیس ہوئے ہیں۔ ''عزیز! ذرا غور سے گھڑی کی طرف دیکھو کہیں یہ خراب نہ ہو'' شاہ جی نے مغموم لہجے میں فرمایا اور پھر قدرے مطمئن ہو کر لیٹ گئے۔ دس منٹ بعد پھر بدن پر جھٹکا لگا اور اٹھ بیٹھے ارے ظالم! مجھے اٹھایا نہیں ہے میری صبح کی نماز رہ گئی۔ انا للہ۔۔۔۔ انا للہ۔ اللہ کریم معاف فرما دے۔'' سارا کمرہ دھوپ سے بھر گیا اور میں نہیں اٹھا''۔

خادم نے عرض کی حضور! ابھی تو صرف پندرہ منٹ آپ نے آرام فرمایا ہے۔ صبح کی نماز جبکہ ساڑھے چھ بجے ہوگی۔ ہچکیوں کے ساتھ روتے ہوئے آپ دوبارہ بستر استراحت پر آرام فرما ہو گئے۔

گھنٹے بھر کے بعد اٹھے اور وضو فرمایا اور انتہائی انبساط اور خوشی کے عالم میں مصلّی پر تشریف لے گئے۔ چند نفل ادا ہوئے اور پھر خود ہی صلوٰۃ وسلام پڑھا اور بلا کر مجھے فرمانے لگے صبح کی نماز کے بعد حلوہ، جلیبیاں، کھجوریں اور مٹھائی جو ملتا ہے مدرسے کے بچوں میں تقسیم کرو۔

میرے کمرے میں دھوپ نہیں تھی وہ سراج منیر کی روشنی تھی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ حرم نبوی میں نماز پڑھ رہا ہوں اور میری والدہ روضہ شریف کے اندر ہیں اور مجھے آواز دے رہی ہیں بیٹا ریاض الجنۃ کی طرف سے اندر آ جاؤ۔ اذنِ حضوری ہوگئی ہے۔ اندر داخل ہونے کے بعد میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں پاتا کہ مواجہ شریف کی طرف سے حاضری دوں زور زور سے پڑھتا ہوں:

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ
الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ

آپ کی آواز آتی ہے سامنے سے آؤ، ڈرے ہوئے، سہمے ہوئے اور خوف زدہ اپنے گناہوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے حیران اور سراسیمہ سامنے آ کر گردن جھکا کر بیٹھ جاتا ہوں اور روضہ شریف کھل کر نور کی چھپر کھٹ بن جاتی ہے اور کائنات کے شہریار تشریف فرما ہوتے ہیں قرب حضوری کا اذن ہوتا ہے اور بلا اختیار قدم بوسی کرتا ہوں اور آپ۔۔۔۔۔ درود اُن پر، سلام ان پر، صلوٰۃ اُن پر، سلام ان پر۔

''فرماتے ہیں تمہاری دودھ جلیبیاں قبول ہیں''۔

''اللہ کے دین کی خدمت کرو''۔

شاہ جی کہتے ہیں:

اس رات کو سلام
جو ڈھل کر مصفا ہوئے اور ان لمحوں کو سلام

امید اور محبت کے درمیان جس میں زندگی کا چرخہ چل رہا ہے۔ زندگی ان کے نام جن کے نام خدا کی بستی کی ہر شے ہو چکی ہے۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

بقیہ جنگِ آزادی

علّامہ فضلِ حق خیرا بادی کی وہ ذات ہے جس نے تحریک آزادی کی فکری دور کا آغاز اس وقت کیا جب آپ لکھنؤ میں تحصیل دار کے مہتمم اور صدر الصدور مقرر کئے گئے، ابھی آپ ٹھیک سے جائزہ بھی نہ لے پائے تھے کہ ہنومان گڑھی میں انگریزوں نے خفیہ طور پر دو فریق (ہندو مسلم) کے درمیان خونی جنگ کرا دی جسے سیدھے سادھے لوگ سمجھ نہ سکے اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے، جب علّامہ صاحب نے ایسا ماحول دیکھا تو اپنے عہدے سے مستعفی ہو کر پوری طرح سے لوگوں کو انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے ابھارنا شروع کر دیا اور آخری حربہ کے طور پر دہلی کی شاہجہانی جامع مسجد میں مدلّل و مفصل خطاب فرمایا جس سے پوری قوم کا سویا ہوا مزاج جاگ اٹھا اور دیکھتے ہی دیکھتے نوے ہزار کی تعداد میں لوگ انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے جمع ہو گئے جس سے انگریزوں کو اپنا اقتدار ختم ہوتا نظر آیا تو انگریزوں نے اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے آپ کو خریدنا چاہا مگر ان کو اس میں سخت ناکامی حاصل ہوئی، اسی طرح علّامہ کی آخری سانس تڑپتی ہوئی نکلی آخر کار یہ علم و فضل کا شمع ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بجھ گیا:

فنا کے بعد بھی باقی ہے شان رہبری تیری
خدا کی رحمتیں ہوں اے امیر کارواں تجھ پر

بوترابی کلاموں میں قومی اور انقلابی اشارات

عبداللہ ریاض

ہر سوموار کی طرح 12 جون کو ادارہ تعلیماتِ اسلامیہ میں مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی بارگاہ میں محبت وعقیدت کے جذبے اور نذرانے پیش کرنے کے لیے ایک روحانی و نورانی محفل ذکر کا اہتمام کیا گیا۔اس محفل میں سید عظمت حسین شاہ گیلانی شاہ صاحب، پیر سید فیصل ریاض شاہ صاحب دامت برکاتہم عالیہ، پیر سید نعمان ریاض شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ، علامہ حافظ نور احمد بندیالوی، پروفیسر محمد بہاؤالدین صاحب، علامہ بشیر القادری صاحب، علامہ حافظ شیخ محمد قاسم صاحب، مفتی لیاقت صاحب، علامہ رضوان انجم صاحب، علامہ حافظ محمد اکبر صاحب سمیت دیگر علمائے کرام، سادات اکرام، مشائخ عظام، نعت خواں حضرات تشریف فرما تھے۔ محفل میں نقابت کے فرائض صفدر علی محسن صاحب نے سرانجام دیے۔اس بابرکت محفل کا باقاعدہ آغاز قاری غضنفر علی نعیمی نے تلاوت قرآن مجید سے کیا۔تلاوت کے بعد نعت ومنقبت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔قاری شہزاد مدنی صاحب نعت پیش کر رہے تھے۔ان کی نعت کے دوران ہی وہ عظیم ہستی جن کے لیے ہم سب وہاں اکٹھے ہوئے تھے میری مراد قبلہ مفکر اسلام مفسر قرآن حضرت علامہ پیر سید ریاض حسین شاہ جی رونق محفل بن کر تشریف لے آئے۔قاری شہزاد صاحب کی نعت کے بعد پیر سید عظمت حسین شاہ گیلانی صاحب ہم سب سے مخاطب ہوئے۔آپ نے اپنے خطاب کا آغاز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارک اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُھَا سے کیا آپ نے ایک شعر پڑھا اور کہا کہ یہ فکر کی بلندی ہر ایک کو نہیں ملتی یہ اسے ملتی ہے جیسے در حیدر کرار کی خیرات ملتی ہے آپ نے اس پر غالب کا ایک شعر پڑھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ دنیا میں اس وقت جتنے موتی ہیں کوئی میرے جیسا نہیں کہ میں بے مثال ہوں کیوں کہ مجھ پر دھول پڑتی ہے اور وہ دھول مولا علی پاک کی ہے۔آپ نے ایک واقعہ سناتے ہوئے کہا کہ امام تقی پاک نے صرف 25 سال عمر پائی آپ کے بچپن کے دور میں شہر بغداد میں یہ بات مشہور تھی کہ ایک شخص ایسا بھی ہے جس کو ہر سوال کا جواب پتا ہے۔بہت بڑے بڑے علماء نے آپ کو آزمانا چاہا تو میمون الرشید کے دربار پر درباری علماء نے کئی سوالات آپ سے پوچھے اور آپ اطمینان کے ساتھ تمام سوالات کے جوابات دیتے گئے۔امام تقی سے میمون الرشید کہنے لگے کہ ان سے ایک سوال آپ بھی پوچھے پھر امام تقی پاک نے کہا چلو بتاؤ کہ ایک مرد پر ایک ہی عورت چار بار حلال اور چار ہی بار حرام کیسے ہوگی؟ جب کسی کو اس کا جواب نہیں آیا تو مامون الرشید کے کہنے پر امام تقی پاک نے خود ہی اس کا جواب دیا آپ نے کہا ایک مرد کو صبح کے وقت لڑکی پسند آئی اس وقت وہ اس پر حرام تھی صبح کے وقت اس کو خرید لیا تو حلال ہوگئی۔ظہر کے وقت آزاد کر دیا حرام ہوگئی، عصر کے وقت نکاح کر لیا حلال ہوگئی، مغرب کے وقت ظہار کر لیا حرام ہوگئی، عشاء کے وقت کفارہ دے دیا حلال ہوگئی آدھی رات کو طلاق رجعی دے دی حرام ہوگئی، فجر کے وقت رجوع کر لیا حلال ہو گئی۔یہ جواب سن کر تمام حاضرین دربار کہنے لگے علی کے بیٹے ایسے ہوتے ہیں۔

اسی کے ساتھ سید عظمت حسین شاہ صاحب نے اپنا خطاب مکمل کر دیا۔

آپ کے خطاب کے بعد محفل کے مہمان خصوصی عالمی شہرت یافتہ نعت خواں الحاج احمد علی حاکم صاحب نے نعت ومنقبت پیش کی۔آپ نے انتہائی منفرد اور اعلیٰ انداز میں نعت ومنقبت پڑھی جس کو سننے سے تمام حاضرین محفل خوب مسرور ہوئے۔ان سب کے بعد اب اس عظیم خطاب کا وقت ہو چکا تھا جس کو سننے کے ہم سب انتظار میں تھا۔صفدر علی محسن صاحب نے نہایت پیارے لہجے میں قبلہ شاہ جی کو دعوت خطاب دی۔

شاہ جی کا خطابِ نور

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام بھیجنے کے بعد قبلہ شاہ جی نے اپنے درس کا آغاز ہمیشہ کی طرح قرآن مجید کی آیت مبارکہ سے کیا:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوْسًا ۝ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ۝

"اور ہم قرآن سے وہ چیزیں نازل کرتے ہیں جو شفا اور رحمت ہیں ایمان والوں کے لیے وہ ظالموں کے لیے نہیں بڑھاتا مگر خسارہ اور ہم جب انسان پر انعام کرتے ہیں تو وہ روگردانی کرتا ہے اور کنارے ہٹ جاتا ہے اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو نا امید ہو جاتا ہے آپ فرمائیے! ہر ایک اپنی ہی فطرت کے مطابق عمل کرتا ہے سو تمہارا رب ہی جانتا ہے کون سیدھی راہ پانے والا ہے"۔

آپ نے اپنے خطاب میں تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کرنے کے بعد شاہ جی نے فرمایا کی میں نے آج یہ عنوان اہل ادب کو قرآن سنانے کے لیے یہ عنوان رکھا ہے۔آپ نے علامہ اقبال کے شعر پڑھے:

پوچھتے کیا ہو مذہب اقبال
یہ گنہگار بوترابی ہے

شاہ جی نے فرمایا کسی عالم دین سے کسی جگہ سے منسوب ہونا اعزاز ہے ہم اس پر ناراض نہیں لیکن اقبال کی قسمت بلند ہے کہ وہ گلیوں کو بھی چھوڑ گئے ا پچھلے زمانے کے لوگوں کو بھی چھوڑ کر کتنی دور چلے گئے شاہ جی نے کہا کہ آپ لوگوں نے مجھے نہ سنی چھوڑا شیعہ چھوڑا تو پھر اب میں اقبال کے مسلک پر ہوں گناہگار بوترابی ہے:

میرے لیے فقط زور حیدری کافی
تیرے نزدیک افلاطون کی تیزی ادراک

قبلہ شاہ جی نے فرمایا تو افلاطون کے قدموں میں بیٹھ جا ہم علی کے قدموں میں بیٹھتے ہیں شاہ جی نے فرمایا کہ عاقبت میں فرق ہے انجام میں فرق ہے نتیجے میں فرق ہے بی بی ظہرا پاک کی دہلیز پر بیٹھنے اور یونان کے کسی شہر کی دہلیز پر بیٹھنے میں فرق ہے۔قبلہ شاہ جی نے فرمایا کہ میں شہباز شریف صاحب سے خود منظر پوچھوں گا کہ وہ منظر کیسا تھا کہ جب ترکی کے صدر طیب اردگان نے حلف اٹھایا تو اس کو کیا ہوا اور اس نے یہ نعرہ لگایا:

"لا فتح الا علی لا سیف الا ذوالفقار"

شاہ جی نے ایک انگریز رائٹر لیکی کا حوالہ دیتے ہوئے حضور پاک ﷺ کے دور کی تاریخ بیان فرمائی۔لیکی لکھتا ہے کہ جب آسمان سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سورج اترا اس دور میں چرچ ٹمپل منتشر تھے اور ان کے مذہبی رہنما خباثتوں کے شکار تھے۔اس دور کو پڑھ کر سب سے بڑا ستم یہ تھا کہ ظلم اپنی انتہاؤں کو چھو گیا تھا ہر شخص انسان کو شکار کر کے اپنے گھر واپس آتا تھا۔مل مین نے لکھا کے اس زمانے میں عرب کے جاہل لوگ 1700 جنگیں کر چکے تھے اور عجیب بات یہ تھی کہ ان 1700 جنگوں کے اندر وہ ان لفظوں کے بغیر کچھ نہ سمجھتے تھے:

1۔میدان کس نے مارا ہے۔
2۔فلاں قبیلے کے بہادر کو تلوار سے کس نے کاٹا کیا ہے۔
3۔فلاں قبیلے کی عورت کو کس نے زندہ در گور کیا ہے۔

پہلا قبیلہ جو سب پر غالب ہے کہتا یہ میرا فتح ہے دوسرا قبیلہ کہتا کہ یہ میرا فتح ہے۔جس وقت مصطفی ﷺ آئے تو عربوں نے مل کر کہا ہمارا فتح سورما، بہادر تو یہ ہے جو تمام قبیلوں کو ادھیڑ دیتا ہے۔ جب آپ ﷺ سے پوچھا کہ آپ کا فاتح کون ہے تو حضور پاک ﷺ نے فرمایا علی میرا فاتح ہے۔عربوں اور صحابہ میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ عرب والوں یہ مت سمجھو کہ اگر تمہارے قبیلوں میں کوئی فاتح ہے اور محمد ﷺ کی جماعت خالی ہے اور ان کے پاس کوئی فاتح نہیں ہے تو صحراؤں، میدانوں اور ہر طرف سے "این علی" کی آوازیں آنے لگ گئی اور جب بھی کوئی مقابلے کے لیے کہتا تو حضور پاک ﷺ فرماتے این علی علی کہا ہے اور مولا علی کھڑے ہو کر کہہ حضور میں یہاں ہوں۔شاہ جی نے فرمایا لوگ ڈرتے ہیں یہودی اور مجوس مسلمانوں کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔اس پر آئینہ نے جھوٹوں کی ریاست پر ایک کتاب لکھی جس سے جھوٹوں کی ریاست قائم ہوئی۔شاہ جی نے فرمایا وقت کی ضرورت یہ ہے کہ یہودیوں کے جھوٹوں کے خلاف کوئی ایسا نعرہ لگنا چاہیے جس سے جھوٹ بھاگ جائے اور سچ سورج کی طرح چمکتا نظر اس لیے پاکستانی فوج کا چیف آف سٹاف کراچی جا کر نعرہ حیدری لگاتا ہے اور ترکی کے صدر طیب اردگان حلف اٹھاتے ہوئے "لا فتح الا علی لا سیف الا ذوالفقار" کا نعرا بلند کرتا ہے اور انشاء اللہ ایک اور مسلمان ملک کا سربراہ بھی جلد ہی نعرا حیدری بلند کرنے والا ہے۔

شاہ جی نے مولا علی کا عربی کا ایک شعر پڑھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ یہ ہماری زینت کپڑوں سے نہیں ہے بلکہ یہ زینت عقل سے آتی ہے، جس کا چاہے بیٹا بن لیکن علم وادب سیکھ۔شاہ جی نے اس شعر کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ علی علی کرنے والے کپڑوں سے سوہنے نہیں لگتے علی کے نور سے سوہنے لگتے ہیں، سوہنا پن ان میں آتا ہے جن میں عقل ہوتی ہے اور جو عقل والا ہے وہ علی علی کرتا ہے وہ حیدر حیدر کرتا ہے اور عقل والا اسی گلی میں جاتا ہے جدھر عقل کا مرجع ہے۔جس مرضی کا بیٹا بن مگر علم وادب سیکھ کیوں کہ فضیلتوں کا پتا علم وادب سے پتا چلتا ہے مجھے کیا معلوم کہ آپ کے والد کا نام کیا ہے اور آپ کو کیا معلوم کہ میرے والد کا نام کیا ہے لیکن مجھے بھی معلوم ہے ہم علی علی کرتے ہیں اور آپ کو بھی معلوم ہے میں حیدر کا بیٹا ہوں۔یہ بات نہیں ہوتی کے کون کس کا بیٹا ہے بلکہ یہ ہوتی ہے کہ پالا کس نے ہے۔آپ نے فرمایا کہ اگر دنیا میں یہ فیصلہ ہوا کہ سب سے سونا بندہ کس نے پالا ہے۔اگر آج ہی فیصلہ ہو کہ کس نے سونا بندہ عظیم بندہ، آسمانوں اور زمینوں سے بھی بلند بندہ جس کے قدم عرش معلی تک پہنچ گئے اس سب سے سوہنے بندے کو کس نے پالا ہے؟ مولا علی کے باپ کو سلام کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ جیسے سونے کو پالا ہے۔شاہ جی نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سارے چاچے لائن میں کھڑے تھے تو حضرت عبدالمطلب نے حضور سے کہا جاؤ جس کے ساتھ رہنا چاہتے ہوں اس سے جا کر چمٹ جاؤ۔حضرت عبداللہ آپ ﷺ کے والد اور حضرت ابو طالب کی ماں ایک تھی اور باقیوں کی ماں اپنی اپنی تھی۔حضور کی آنکھ میں فراست تھی وہ جانتے تھے کہ ماں صرف دودھ کو ہی اکھٹا نہیں کرتی بلکہ حقدار کو بھی اکھٹا کرتی ہے اس لیے حضور دوڑے اور حضرت ابو طالب علیہ السلام سے چمٹ گئے۔قبلہ شاہ جی نے اپنے خطاب کے اختتام پر ابو طالب علیہ السلام اور مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے بغض رکھنے والوں کو مخاطب اور پیغام دیتے ہوئے فرمایا کہ کیا آپ کو اپنے نبی کے کہنے پر یقین نہیں ہے ابو طالب کا انتخاب تو تم کلمہ پڑھ کر مانگتے ہو کیا محمد کا انتخاب ابو طالب نہیں مانتے ہو۔کیا آپ ان سب کو کافر کہیں گے جنہوں نے ابو طالب علیہ السلام کو مسلمان لکھا اور کہا ہے آپ اس کہانی کو یہاں ہی بند کرتے ہیں اور پھر ادھر ہی چلتے ہیں جس گھر میں محمد رہے ہیں۔اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کے محبوبوں کو برا نہ کہیں تو آپ کو چاہیے کہ ہمارے محبوبوں کا بھی خیال کر لو۔ہم تمہارے محبوبوں کا احترام کرتے ہیں، انھیں ہم اپنا امام مانتے ہیں، اپنا استاد مانتے ہیں، طریق فکر مانتے، کا رہبر مانتے ہیں لیکن تم اتنا بھی احترام نہیں کر سکتے کہ 42 سال جس ابو طالب کے پاس محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رہے تم ان کے معاملے میں بھی حیا نہیں کرتے ہو۔اول میں تمہیں محبت کا مقام پتا ہی نہیں ہے تم غوث پاک کو کہتے ہو تیرے دروازے کے کتے ہیں لیکن غوث پاک کے بابا کو علی علی اور حیدر حیدر کہہ کر خراج تحسین پیش نہیں کرتے ہو مگر جو دل اور ہر جگہ سے مسلمان ہے وہ حیدر حیدر کرتا ہے۔

قبلہ شاہ جی نے اپنے خطاب کے بعد جناب محترم الحاج احمد علی حاکم صاحب منقبت مولا علی سنانے کا حکم دیا۔شان مولا کائنات حضرت مولا علی مشکل کشا کرم اللہ وجہہ الکریم کی بارگاہ میں منقبت پیش کرنے کے بعد الحاج پیر دیوان عثمان فرید چشتی صاحب زیب سجادہ نشین دربار عالیہ بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے قبلہ شاہ جی کی بارگاہ میں انتہائی ہی خوبصورت اور موتی جیسے الفاظ کے ساتھ محبت اور عقیدت کے نظرانے پیش کیے۔الحاج پیر دیوان عثمان فرید چشتی صاحب کی محبت بڑی گفتگو کے بعد اللہ رب العزت کا ذکر کیا گیا جس کے بعد قبلہ شاہ جی نے سب کے لیے اختتامی دعا فرمائی۔اللہ پاک سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں محب اہل بیت بنائے۔اے اللہ قبلہ شاہ جی کو صحت وتندرستی والی زندگی عطا فرما ان کا سایہ اس امت پر تا دیر قائم و دائم رکھیں۔آمین بجاہ النبی المرسلین۔